اللہ اکبر　　　صوفی گوید　　　اللہ اکبر

قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے * غوث اعظم مددے [illegible] مددے

اہلحدیث در نفخ الطیب گوید

کعبۂ دیں مددے قبلۂ ایماں مددے
ابن قیم مددے قاضیٔ شوکاں مددے

الحمد للہ کہ رسالہ

البراہین الحنفیۃ لدفاع الفتنۃ النجدیۃ

کہ جو اُن تمام الزامات کا دندان شکن جواب ہے جو پچھلے دنوں حضرات غزنویہ امرتسر کی طرف سے بعنوان "رسالہ برات اہلحدیث" ایک حنفی کی زبانی شائع ہوئے ہیں جسمیں وہ حنفی خود اقرار کرتا ہوا دکھایا گیا ہے کہ واقعی فقہ حنفیہ سراسر قرآن و حدیث کے خلاف (گویا اُس کے نزدیک حنفی اسلام سے خارج ہیں)

(آسی کے قلم سے)

خدام حنفیہ امرتسر

کی طرف سے

آفتاب برقی پریس امرتسر میں باہتمام مولوی محمد عبد اللہ منہاس کے چھپا

قیمت ۳/

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

برادران احناف بعضوں سے اعتراضات ہو رہے ہیں کہ ہمارے مسائل کہ جن پر ہمارا عملدرآمد ہے احادیث نبویہ اور آیات قرآنیہ کے خلاف ہیں حالانکہ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے کیونکہ ہماری طرف سے وقتاً فوقتاً جو جو جوابات شائع ہوتے رہے ہیں انہیں صاف صاف بتلا دیا گیا ہے کہ ہمارے عبادات اور ہمارے معاملات تمام کے تمام ان فیصلوں کے مطابق ہیں جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے قرآن و احادیث سے دئے ہیں حضرت ابوحنیفہ سب سے پہلے امام تھے جنہوں نے بجائے اس کے کہ احادیث نبویہ کو روایت کرتے اُن کا خلاصہ اور صحیح فیصلہ امۃ محمدیہ کے سامنے پیش کر دیا تھا یہی قرآنی اور احادیثی فیصلوں کا نام فقہ رکھا گیا۔ یہ طریق آپ کو حضرات خلفائے راشدین عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ وغیرہ مجتہد صحابیوں سے حاصل ہوا تھا۔ گو شروع شروع میں بعض محدثوں نے اسے ناگوار سمجھا مگر آخر انکو بھی یہی طریق اختیار کرنا پڑا چنانچہ امام شافعی۔ امام مالک امام احمد حنبل وغیرہ نے بھی جو آپ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں فقہ مرتب کرنے کا طریق آپ کے بدولت ہی سیکھا رفتہ رفتہ امام بخاری۔ امام مسلم۔ امام ترمذی امام ابوداؤد۔ امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اپنی کتب احادیث کو فقہی ترتیب پر مرتب کیا اور جا بجا احادیث سے مسائل نکال کر رکھدیئے اگرچہ اُن کا طریق استدلال کچھ آپ کے خلاف ہے مگر بقول امام شافعی (الناس عیال لابی حنیفۃ فی الفقہ) کہ یہ لوگ ابوحنیفہ

سے ہی حال ہے میں مقلد آپکے ہی طریق استنباط کے پیرو ہیں۔

رسولخدا کا زمانہ خیر القرون (بہترین) زمانہ تھا عہد رسالت کے بعد عہد صحابہ کا زمانہ بھی دوسرے درجہ پر خیر القرون گذرا۔ اور ممالک اسلامیہ میں بالخصوص کوفہ۔ بصرہ۔ بغداد۔ مکہ اور مدینہ میں صحابہ ہجرت کر کے آئندہ نسلوں کو تعلیم اسلام کے لئے مقرر ہوئے۔ درسگاہیں مختلف تھیں طریق تعلیم مختلف تھا اور تفہیم مسائل میں مختلف پہلو اختیار کئے گئے اس لئے ہر ایک شہر کی فقہ میں ضروری اختلاف پیدا ہو گیا جسے اختلاف امتی رحمۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ تمام طریقے فروع میں تسلیم کئے گئے اس لئے ہر ایک شہر امام کی فقہ میں جزوی طور پہ اپنا اپنا دستور العمل لوگوں کے سامنے پیش کرنے لگے اور تبع تابعین (آئندہ کی نسلوں) کی سہولت کے لئے شاہراہ کھل گیا۔ پھر جس جس امام کی مرتب شدہ مسائل اور فقہ کو لوگوں نے پسند کیا اسی کے تابع ہو گئے اور تقلید کا سلسلہ شروع ہو گیا اگرچہ اس وقت بہت سے اماموں نے فقہ مرتب کی تھی مگر زیادہ چار اماموں کی فقہ کو ہی رواج ہوا۔ پھر یہ تقلید حسن ظن اور اسلامی اعتماد پر مبنی تھی۔ چھوٹے درجہ کے صحابی بڑے درجہ کے صحابہ کے اقوال پر اعتماد رکھتے تھے۔ پھر صحابہ کا زمانہ گذر گیا تو مشاہیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال پر تابعین نے اعتماد کیا اور تابعین کے اقوال پر تبع تابعین اور دوسرے لوگوں نے اعتماد کیا۔ پھر جب دوسری صدی کے اخیر آنحضرت علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق (کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم) بہتر زمانہ عہد رسالت ہے پھر عہد صحابہ اور پھر صحابہ کے بعد عہد تابعین کہ جس میں حضرت امام ابو حنیفہ پیدا ہوئے ہیں) وہ صداقت نہ رہی جو پہلے زمانہ میں تھی اماموں نے ائمہ اسلام کو اپنے قول کو صحیح منوانے کے لئے قرآن و احادیث کا حوالہ بھی دینا پڑا۔ ورنہ پہلے زمانہ میں صرف قول پر ہی اعتماد ہوتا تھا اور اسی کو کسی حدیث یا کسی قرآنی آیت کا مضمون سمجھا جاتا تھا۔

کہ عام رسم و رواج کی بھی ہوتی ہے اس لئے اس تلقین کو اسلام میں برا سمجھا گیا
ہے اور بعض نے تو اس کو مہمل اور مخذول قرار دیا ہے۔

آزاد منش طبائع ہر ایک فرقہ میں خال خال پیدا ہوتے رہے ہیں اور اپنی
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے رہے جس کی مدافعت میں اس وقت کے
علمائے اسلام نے اپنی ہمت صرف کی اور آخر کار وہ سلسلہ مدھم پڑ گیا
مگر پوری کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بالخصوص تیرھویں صدی کے آغاز
میں صوبہ نجد کے مسلمان حنبلی مذہب کے پیرو زیادہ تشدد پر آمادہ ہو گئے
اور ان کو ملک گیری کا خیال دامنگیر ہوا اور رفتہ رفتہ ایسا تشدد کرنے لگے کہ
اپنے امام کے اقوال کو بھی بالائے طاق رکھ کر اپنا اجتہاد شروع کیا۔ اور
نئے فیصلوں کے مطابق غیر مذاہب کو بدعتی یا مشرک قرار دینے لگے اور
آخر ان کو واجب القتل سمجھ کر حرمین شریفین پر چڑھائی کر دی کہ ان کو حنفی
اور شافعی مذہب کے پیروؤں سے جو ان کے خیال کے مطابق مشرک تھے
پاک کر دیا جائے۔ علمائے اسلام کو تہ تیغ کیا۔ لوٹ مار کی مقامات متبرکہ
کی بے حرمتی کی اور روضہ مطہر نبوی کو صنم اکبر کا لقب دے کر گرانے کا
تہیہ کر لیا جس کی شہادت آج موجودہ حالات سے بھی ملتی ہے مگر سلطنت ترکی
نے دس سال کے بعد انکی طاقت کو کمزور کر دیا اور حرمین شریفین سے ان کا
قبضہ اٹھا دیا۔

اس گروہ کا نام وہابی رکھا گیا کیونکہ ان کا سر گروہ عبدالوہاب تھا عبدالوہاب
کے بیٹے محمد بن عبدالوہاب نے اپنے عہد خلافت میں تصانیف کے
ذریعہ سے اپنا مذہب دنیائے اسلام کے پیش کیا۔ پس جن لوگوں نے اس کو
پسند کیا وہ بھی وہابی قرار دیئے گئے اور جا بجا اس مذہب کے لوگ پیدا ہو گئے
یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ مرحوم کے زمانہ میں ہندوستان کے اندر بھی ان کے
عقائد کا شیوع ہو گیا اور عقائد کے پیرو کو شروع میں وہابی اور محمدی پکارے
جاتے تھے مگر آخر میں انہوں نے صرف اس لئے کہ وہابی حنبلی مذہب کے
پیرو مشہور تھے اور تقلید انکے خیال کے مطابق شرک تھی اپنا نام اہلحدیث رکھا

اور تلفیق میں چار اشخاص کا قول زیادہ معتبر سمجھنے لگے دو نئے نواب صدیق الحسن اور وحید الزمان اور دو پرانے ابن قیم اور ابن تیمیہ۔ ان چاروں کے اقوال اخیر میں درج ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ انہوں نے احناف کے خلاف کیا کیا کچھ کیا ہے
اہل حدیث نے محمد بن عبد الوہاب کی کتاب التوحید کی اشاعت کی پھر اس کا اردو ترجمہ تقویۃ الایمان کے نام سے بارہا شائع کیا کہ جس میں انہوں نے وہابی عقائد کے علاوہ کچھ حواشی اپنی طرف سے بھی لگا دیے جس سے وہ اپنے مستقل مذہب کے نام لیوا بن گئے۔ یہ کتاب کئی دفعہ چھپ کر مفت شائع ہوئی ہے اور کئی دفعہ سستے داموں پر فروخت ہوئی اور بارہا عرب و عجم سے متعدد اہل قلم اس کی تردید بھی شائع کرتے رہے ہیں ہندوستان میں جب سے یہ فرقہ پیدا ہوا احناف کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا اور یہی کوشش رہی کہ اس مذہب کو دنیائے اسلام سے مٹا دیا جائے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا اس لئے وہ انکی آنکھوں کا تنکہ بنکر موجود رہے اور موجود ہیں۔ گو اس وقت بحث و تحیص کے بعد اس فرقہ کے ذی علم افراد نے تسلیم کر لیا ہے کہ احناف بھی قرآن و حدیث کے ہی پیرو ہیں اور ان کے اقتدا میں عبادات جائز ہیں۔ مگر تاہم بعض فتنہ طلب طبائع ابھی تک اپنی بدظنی پر اڑی ہوئی ہیں اور پھر جن غلط فہمیوں کا باہمی تصفیہ ہو چکا تھا از سر نو شائع کرنے کی خواہاں ہیں۔ چنانچہ آج کل غزنوی فرقہ کے اہلحدیث اصحاب نے ایک دستی رسالہ چھوٹے سائز کا کسی فرضی حنفی کی طرف سے شائع کر کے یہ کوشش کی ہے کہ عوام الناس کو حنفی مذہب سے بدظن کر کے اہلحدیث میں داخل کر لیا جائے اور چونکہ انکو اپنے مذہب کی تبلیغ میں تمام کوشش خرچ کرنے کا حق حاصل

ہے تو احناف کو بھی ضرور حق حاصل ہوگا کہ اس کی مدافعت میں اپنی توجہ منعطف کرنے میں دریغ نہ کریں۔

اس رسالہ کا نام جو غزنوی فرقہ کی طرف سے شائع ہوا ہے براءت اہلحدیث ہے کہ جس میں مرتب نے طعن و تشنیع اور تمسخر و استہزاء سے زیادہ تر کام لیا ہے اور کچھ خواہ مخواہ الزام بھی لگا دیئے ہیں۔ اور یہ وہی الزام ہیں جو مولوی محمد حسین بٹالوی اور سر پھند گوجرانوالے کی طرف کہ جب کہ وہ مسلمان ہو چکا تھا ایک کتابی صورت میں کہ جس کا نام الظفر المبین رکھا گیا تھا شائع ہوئے تھے۔ درحقیقت یہ مطاعن کتاب التوحید مصنفہ محمد بن عبد الوہاب کا ہی حاشیہ تھے کہ جس کی تردید بارہا ہو چکی تھی اور ظفر المبین کے جواب میں احناف کی طرف سے الفتح المبین بھی گئی تھی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ فتح مبین کا ہی خلاصہ لکھکر شائع کیا جائے تاکہ جس شخص کو زیادہ وضاحت سے کام لینا منظور ہو وہ اصل کتاب دیکھکر پوری تشفی کر سکے۔ فرداً فرداً جزوی طور پر لکھنو۔ دہلی دیوبند اور بریلی۔ مونگیر۔ لاہور۔ امرتسر وغیرہ دوسرے اضلاع سے بھی ان غلط فہمیوں کی تردید کی گئی تھی۔ مگر الفتح المبین میں چونکہ سوا سو غلط فہمیوں کا ازالہ کیا گیا ہے اس لئے تمام تردیدی کتابوں سے بڑھکر ثابت ہوئی ہے۔

ہم نے یہ التزام کر لیا ہے کہ دائرہ تہذیب سے باہر ہو کر کچھ نہ لکھیں گے اور انکو اپنی دریدہ دہنی کی شرم دلائیں گے اور حتی المقدور یہ ثابت کرینگے کہ ہمارا مذہب عین قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور یہ بھی کوشش کیجائیگی کہ ان کی مسلمہ کتب سے ہی ان کو باور کرایا جائے کیونکہ ممکن ہے

کر انکو ہماری اصولی کتابوں کے حوالہ سے تشفی حاصل ہو ورنہ ہماری اصولی کتابیں۔ مسند ابی حنیفہ۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار۔ مشکل الآثار معانی الآثار۔ فقہ اکبر۔ بنایہ شرح ہدایہ۔ عینی شرح بخاری۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ۔ رد المختار۔ حاشیہ الدر المختار۔ جامع صغیر اور ہدایہ وغیرہ ایسی صاف کتابیں ہیں کہ صرف ایک نگاہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسی غلط فہمیوں کی کچھ اصلیت ہی نہیں۔

رسالہ برات اہلحدیث میں تقریباً ستر سے زائد اعتراض ہیں ہم انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک کا نمبروار جواب دینگے اور کتب کا حوالہ ساتھ ساتھ دیا جائیگا اب ماننا نہ ماننا ان کا اختیار ہوگا گو ہم یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ اقوال ابو حنیفہ آیات احادیث کا ہی عین مفہوم ہیں اپنی طرف سے انہوں نے کچھ نہیں گھڑا اور نہ ہی نعوذ باللہ شریعت نبوی میں انہوں نے نئی شریعت کے احکام شائع کئے ہیں تاکہ ان کا یہ وہم بھی دور ہو جائے کہ ہم ابو حنیفہ کو مستقل صاحب شریعت یا رسول مانتے ہیں اور خرف فی الرسالۃ کے مرتکب ہیں اور یہ وہم بھی دور ہو جائے کہ حنفی مشرک ہیں اور اہلحدیث موحد

باب اول

مذہب حنفیہ پر اعتراضات اور انکے جوابات

(۱) امام اعظم کے نزدیک تمام فرشتوں۔ نیکوں۔ بدوں اور شرابیوں کا ایمان برابر ہے۔ (حنفی) ایمان میں کمی بیشی ضروری ہے۔ (وہابی)

الجواب۔ اصل مسئلہ بگاڑ کر ہم کو خواہ مخواہ بدنام کیا ہے۔ ورنہ اصل میں ایمان

دو قسم ہے۔ اول اجمالی۔ کہ جس میں صرف اتنا تسلیم کیا جاتا ہے کہ "خدا اور خدا کے
رسول برحق ہیں" یہ ایک طرح کا معاہدہ ہے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی
اور اتنے لفظ تسلیم کرنے میں تمام مسلم برابر ہیں۔ ہمارے ہاں اس ایمان کو اجمالی سمجھتے
ہیں۔ دوم ایمان تفصیلی کہ جس میں الگ الگ اصول اسلام پر تصدیق لیجاتی
ہے سو اس کی کمی بیشی میں کسی کو کلام نہیں۔ قرآن مجید کے بعض احکام
ابھی نازل نہیں ہوئے تھے تو صحابہ کا ایمان چند احکام سے متعلق تھا۔ رفتہ رفتہ
تمام احکام نازل ہو گئے تو تمام احکام سے متعلق ہو گیا۔ اس لئے (متعلق بہ)
احکام کے رو سے ایمان بھی بڑھتا رہا۔ اس کے بعد جب اسلام کی پیشگوئیوں
اور صداقتوں کا اظہار ہونے لگا۔ تو ہیرا ایمان کے سونے پر اور بھی
سہاگہ چڑھ گیا جس سے اطمینان قلب کے مدارج طے ہو گئے جن احکام کی تصدیق
کی تھی اور واجب التسلیم مانا تھا ان کے مطابق عملدرآمد ہونے لگا
تو نیک بندوں کا ایمان عملی پیرایہ میں اور بھی بڑھ گیا۔ حاصل یہ ہوا
کہ ایمان صرف تصدیق اسلام کے رو سے اس قابل نہیں ہے کہ اس میں
کمی بیشی آ سکے ہاں متعلق بہ اور اعمال یا بیرونی صداقتوں سے اس کی شدت
و ضعف (طاقت اور کمزوری) کے مدارج مختلف ہو جاتے ہیں اس لئے عام طور پر یہ
کہنا غلط ہوگا کہ کسی کے ایمان میں کمی بیشی نہیں اور یہ کہنا نیک و بد کا ایمان ہر حالتیں برابر ہے۔ (فقہ اکبر
شرح عقائد۔ سیرۃ النعمان۔ صحیح بخاری۔ قرآن شریف وغیرہ)

(۲) مدینہ منورہ حرم نہیں ہے مانند حرم مکہ کے۔ اور اہلحدیث کے نزدیک دونوں
یکساں ہیں۔

۔ الزام اگر یوں بدل دیا جاتا کہ حرم مکہ اور حرم مدینہ میں فرق ہے تو اس وقت
جو تکفیر مدینہ کی آرہی ہے نہ آتی۔ ہر ایک مسلم تسلیم کریگا کہ (مَنْ دَخَلَہٗ كَانَ اٰمِنًا)
جو بھی اسمیں آجائے وہ محفوظ ہوگا کا حکم صرف مکہ کے لئے ہے مدینہ کے لئے نہیں
ہے۔ حاجی احرام باندھ کر حرم کعبہ میں داخل ہوتے ہیں حرم مدینہ میں احرام نہیں حرم

حرم مکہ کا پتہ بھی توڑنا ممنوع ہے مگر حرم مدینہ کے پتے توڑے جاتے ہیں اب بتاؤ
دونوں حرم مختلف ہیں کہ نہیں؟ بیع وشرا کا مفہوم ذہن میں آئیگا تو اور بھی
فرق ظاہر ہو جائیگا کیونکہ مدینہ کی زمین بیع ہو سکتی ہے اور مکہ کی نہ زمین فروخت
ہو سکتی، صرف ملبہ فروخت ہوتا ہے ورنہ نہ زمین سرکار آلہیہ کے قبضہ میں
اسی طرح حرم کعبہ میں شکار بالاتفاق ممنوع ہے اور حرم مدینہ میں
بالاتفاق ممنوع نہیں ہے ورنہ تعظیمی نقطہ نگاہ سے دونوں حرم کی وقعت مسلم
علی الظاہر یکساں ہے (مرقات باب حرم المدینہ)

(۳) ذمی جزیہ دینے والا اگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے تو بھی لائق
قتل نہیں ہوتا (احناف) وہ لائق قتل ہے (اہلحدیث)

ذمی رکھنے کا مقصد اگر پڑھا دیا جاتا تو معاملہ صاف ہی تھا، حضور کو در پردہ
منافقین راعنا اور اذٰی تک کہہ جاتے تھے مگر آپ نے ان کو قتل کا حکم
نہیں دیا تھا، ہاں علے الاعلان اور بار بار گالیاں دینے والا واجب القتل
ہوگا جس عورت کے واقعہ سے استدلال پیش کیا جا رہا ہے وہ بار بار ہی گالیاں
دیتی تھی کیونکہ اس کی نسبت کَانَتْ تَشْتِمُ (گالیاں دیا کرتی تھی) کا لفظ موجود ہے
یہ نہیں ہے کہ شَتَمَتْ (اس نے ایک دفعہ گالی دی تھی) اور کعب بن
اشرف یہودی کو صرف ایک دفعہ برا کہنے پر ہی قتل نہیں کیا تھا بلکہ وہ مشرک
اور باغی بھی تھا اور اسلام کے مقابلہ میں لشکر کشی کے لئے کوشاں رہتا تھا
(رد المحتار جلد ۳ ص ۳۰۳ ۔ عینی شرح بخاری) ہاں ایسے موقعہ پر غیرت اسلامی کی بنا پر
حاکم وقت سے تعزیراً قید یا تازیانہ یا جلا وطنی کی سزا ضرور پائے گا اور تعزیرات
اسلامیہ کے شکنجہ میں تازیانہ ضرور کسا جائیگا۔

(۴) ذمی اگر جزیہ سے انکار کرے یا قتل مسلم کا مرتکب ہو یا کسی مسلم عورت سے

زنا بالجبر کا مرتکب ہو تو اس کے عہد و پیمان میں فرق نہیں آتا (احناف)

(الجواب) اس عبارت سے یہ وہم دلایا گیا ہے ......

کہ احناف اسے صاف ہی چھوڑ دینگے نہیں بلکہ اس کو باقاعدہ شکنجہ

تعزیرات اسلامیہ میں کھینچکر جو سزا مناسب ہوگی اسے بھگتنی پڑے گی

باقی رہا عہد و پیمان سو اس کے فسخ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ دلیل

میں کعب بن اشرف پیش کیا جاتا ہے مگر وہ ذمی نہ تہا (حوالہ مذکورہ بالا)

(۵) زانیہ عورت کی خرچی حلال ہے اور بعد اجرت دیگر زنا کرے اس پر حد

شرعی نہیں (احناف) ایسی عورت کی کمائی مردار اور حرام ہے اور

زانی پر حد شرعی برابر ہے (وہابی)

یہ مسئلہ سمجھنے میں تو مسلم مہری چشنکو ٹھوکر لگی ہے کیونکہ نہ وہ زباندان

تہا اور نہ اس کے معاون پورا پورا عربی زبان میں دسترس رکھتے

تھے فقہ کی عبارت ذرہ پیچیدہ تہی۔ جناب ترجمہ کرنے میں ٹھوکر کھا

گئے۔ دوسرے خوشامدی تہے انہوں نے جھٹ سچائی کے نعرے بلند

کرنے شروع کر دیئے۔ اصل مسئلہ یوں ہے کہ بالفرض اگر کوئی آزاد منش

گلابی مسلمان کسی زنڈی کو اپنے خانگی معاملات اور عام لین و دین

کے لئے نوکر رکھ لے جیسا کہ امیروں کے ہاں رذیل عورتیں سودا

سلف لانے کیلئے ہوا کرتی ہیں اور اس کو علاوہ دیگر خدمات کے ایک

زنا کی خدمت دینے کی بھی شرط لگا دے اور اخیر میں اُن کی آپس میں

بگڑ جائے پس عدالت میں جب ایسا مقدمہ پیش ہوگا تو اگر قاضی حنفی

ہوگا تو یوں فیصلہ دیگا کہ وطی بالشبہ ہونے کی وجہ سے زانی

حد شرعی نہیں کہا ئیگا مگر سیاستہً غیر محدود اور قید جرمانہ یا تازیانے ضرور

کہا گیا ہے اور اس عورت کو جس قدر تنخواہ مقرر ہوئی تھی اتنی ملنا فرودی نہ ہوگا۔ بلکہ عام رسم و رواج کے مطابق حق الخدمت میں اسکو اتنے پیسے دلائے جائیں گے کہ جس قدر دوسرے ایسی عورتوں کو ادا کرتے ہیں کیونکہ یہ معاہدہ شرعاً زنا کی شرط سے پہلے صحیح تھا لبعد میں زنا کی شرط لگانے سے فاسد ہو گیا ہے اور ایسے معاملات میں طے شدہ رقم نہیں ملا کرتی۔ بلکہ رسم و رواج کے مطابق پیسے دیئے جاتے ہیں۔ وہابی صاحب نے یہ الزام لگانے کی کوشش کی ہے کہ رنڈیوں کی خرچی حلال ہے اور رنڈی سے زنا کرنا الامجرم نہیں۔ حالانکہ حنفی مذہب میں خصوصاً اور تمام اہل سنت کی کتابوں میں عموماً متفقہ فیصلہ ہے رنڈی کی خرچی حرام اور مردار تصور کی گئی ہے۔ خدا جانے بہتان جیسے گناہ کبیرہ کے ارتکاب میں ان لوگوں کو کیا مزہ آتا ہے رنووی شرح مسلم حاشیہ شرح وقایہ باب اجارہ فاسدہ)

(۶) جھوٹی گواہی گزار کر بیگانی عورت لے لینا اور اس سے صحبت کرنا گناہ نہیں ہے (احناف) گناہ ہے (وہابی)

چونکہ ان لوگوں کو ابو حنیفہ سے ذاتی کاوش ہے یہاں تک کہ الجرح علی ابی حنیفہ میں آپ کو زندیق رخارج از اسلام) لکھا ہے۔ تاریخ پیدائش سگ از یاریخ وفات "بوکم جہان پاک" اس لئے گو ہمارے سامنے ظاہری رواداری کیلئے امام اعظم رح کے حق میں رحمۃ اللہ کہتے ہیں مگر پھر بھی صحیح مسئلہ بگاڑ کر بنانا ان کا فرض ہوتا ہے تاکہ لوگ بدظن ہو کر اس مذہب سے متنفر ہو جائیں۔ اصل حقیقت یوں ہے کہ قاضی خدا نہیں ہوتا ہے کہ گھر کے واقعات بھی اس کو معلوم ہوں اس کا فیصلہ تو کاغذات کارروائی پر مبنی ہوتا ہے خواہ سچ ہو یا جھوٹ فریقین کی گردن پر ہوتا ہے اس لئے نکاح و طلاق کے بارہ میں اس کا فیصلہ یوں سمجھا جائے گا کہ گویا ایک

ایک زبردست صحیح ولی نے اس وقت نکاح کر دیا ہے ورنہ اس مسئلہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ قاضی دیدہ و دانستہ جھوٹی شہادت دیکر جبراً لوگوں کی عورتیں دوسروں کو دیسکتا ہے کیونکہ آنحضرت علیہ السلام کئی دفعہ تاکید فرماتے ہیں کہ فریقین اپنا اپنا بیان زور سے ثابت کیا کریں۔ چنانچہ آپ نے ایک زمین کے مقدمہ میں فرمایا تھا کہ جھوٹا ڈگری حاصل کنندہ یوں سمجھے کہ گویا اس نے دوزخ کا ایک حصہ اپنے قبضہ میں کر لیا ہے جس سے یہ اشارہ تھا کہ گو ظاہری بیانات پر جھوٹا فریق ڈگری لے جائیگا اور مقدمہ بھی اصولی طور پر عندالناس صحیح تسلیم ہوگا مگر مال اور محال کے ایسے مقدمات درحقیقت عنداللہ فی الواقع نافذ تصور نہ ہونگے اور یہ نہ خیال کیا جائیگا کہ ظالم فریق نے ڈگری کا مال سرکاری حکم کی وجہ سے حلال بنوا لیا ہے نہیں وہ ویسا ہی حرام ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ مگر ایسے موقعہ پر ولی نکاح وطلاق اور مال ومحال کے مقدمات میں ایسے مسئلوں کی وجہ سے فرق نہیں کرتے۔ (طحاوی اور حاشیہ بخاری مصنفہ مولانا احمد علی صاحب محدث) (۷) شادی شدہ کا فرزنا کرے تو سنگسار نہ ہوگا (احناف) ایسے تمام لوگ سنگسار کئے جائیں گے۔ (وہابی)

گو پہلی دفعہ رجم (سنگساری) کا فیصلہ آپکے سامنے یہودیوں پر عائد ہوا تھا اس لئے اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا غلط ہوگا کہ رجم کے لئے اسلام شرط نہیں کیونکہ اسلام میں رجم کا حکم جب نافذ ہوا تھا تو اس وقت یہ شرط لگائی گئی تھی کہ شادی شدہ مسلم ہی مستوجب سزائے رجم ہے بشرطیکہ اس کی شادی بھی نکاح صحیح سے کسی مسلم عورت سے ہوئی ہو ورنہ دوسری صورتوں میں صرف درے لگائے جائیں گے یا دوسری قسم کی سیاسی تعزیرات لگائی جائیں گی مگر رجم نہ ہوگا کیونکہ رجم سے صرف مسلمان

معدن رشادی شدہ) مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ اس کا جرم بڑا ہے۔ اور بڑے جرم سے رسنگاری بھی بھاری سزا سے ہی ہوا کرتی ہے (شرح موطا امام محمد۔ فتح القدیر کتاب الحدود)

(۸) کتے کی بیع جائز ہے (احناف) جائز نہیں (وہابی)
مدینہ طیبہ میں کتے بکثرت تھے لوگ ان کو بکثرت پالتے تھے جس سے مسافروں اور غربا کو تکلیف ہوتی تھی۔ آپ نے عام کتے مارنے کا حکم دیدیا تھا اور تمام کتے مارے جانے شروع ہو گئے اور چونکہ ان دنوں کتے کی تجارت بکثرت تھی اس لئے آپ نے ذرہ سختی سے کام لیا کچھ مدت کے بعد جب کتے بہت کم ہو گئے اور عام تجارت سے لوگ رک گئے۔ تو آپ نے شکاری اور گھر بار یا کھیت اور جانوروں کی حفاظت کرنے والے کتوں کی اجازت دیدی اور ان کا لینا دینا بھی جائز تصور کیا گیا۔ معترض نے ابتدائی حکم لگا کر ہمیشہ کیلئے کتے کی فروخت ہی بند کر دی ہے بھلا کجا وہ تجارت اور کجا مفید کتوں کا بیچنا گو ایسی فروخت بھی زیادہ پسندیدہ نہیں ہے مگر اتنا غضب بھی تو نہیں کہ بالکل حرام ہی سمجھا جائے (عینی شرح صحیح بخاری نہایۃ شرح ہدایہ۔ مسلم جلد ۲، عینی شرح ہدایہ میں روایۃً یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پہلا حکم منسوخ کرنے کے بعد آپ نے ایک دفعہ چالیس درہم پر کتے کی قیمت کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔

(۹) شراب کا سرکہ بنانا جائز نہیں ہے (وہابی) جائز ہے (حنفی)
صرف ہم ہی جائز نہیں کہتے بلکہ حضرت امام مالک اوزاعی اور حضرت لیث بھی کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں کتوں کی ممانعت کی طرح شراب کی ممانعت میں بھی تشدد کیا گیا تھا یہاں تک کہ شراب کے برتن بھی تڑوا دیئے تھے اور اسی قسم کے دوسرے برتن بھی ناقابل استعمال

قرار دیے گئے تھے تاکہ شراب کی محبت اور مجالس شراب کی رغبت اور ظروف شراب کی صورت بھی ان کی آنکھوں سے بالکل غائب ہو جائے۔ اس وقت یہ سوال ہوا تھا کہ آپ فرمائیں تو شراب کو نمک ڈال کر سرکہ بنالیں تو آپ نے یہ سمجھ کر منع فرمایا تھا کہ کہیں ان کا دل پھر نہ للچا آئے بعد میں وہ عادت جاتی رہی صراحیاں اور روغنی برتن جو شراب کے برتن مشہور تھے پھر استعمال ہونے لگے اور آپ نے ایک یتیم کی شراب کی نسبت جو اس کو کہیں سے دستیاب ہوئی تھی سرکہ بنانے کا بھی حکم دیا تھا (عینی شرح کنز نووی شرح مسلم) مگر حیرت ہے کہ گوہ کھانے والی بھیڑ۔ نالیاں صاف کرنے والی بطخ اور گوبر کھانیوالی مرغی اسی طرح پیشاب و پاخانہ سے پیدا ہوا شلغم۔ گوبھی۔ گنا۔ مولیاں وغیرہ تمام وہابی کھاتے ہیں اور ہیرس کے بسکٹ کہ جن میں معلوم نہیں کس کس زندہ و مردہ جانور کی چربی پڑی ہوتی ہے ہضم کر کے ڈکار بھی نہیں لیتے اور سرکہ پر اس قدر جوش تقدس ہے کہ اب اس کی نوعیت تبدیل ہونے کا بھی اعتبار نہیں رہا۔ وہابی اصول کے مطابق پانی کا ایک پیالہ کہ جس میں ایک قطرہ پیشاب ڈال کر معطر کر دیا جائے پینے کے قابل اور پاک رہ سکتا ہے کیونکہ رنگ بو اور ذائقہ تبدیل نہیں ہوا مگر سرکہ بھی نمک پاک چیز کے ڈالنے سے بجائے خود بنانا بھی حرام ہے۔ بہت خوب۔

(۱۰) اگر بغرض حصول طاقت شراب پی جائے تو درست ہے (احناف) شراب خواہ کسی نیت سے پی جائے حرام اور پینے والا مجرم ہے اس پر حد شرعی قائم ہوگی (اہلحدیث)

(الجواب) اس مسئلہ پر عملی طور پر حضرات اہلحدیث ہم سے دو قدم آگے ہیں تپ دق کا علاج ڈاکٹروں سے شراب کے ذریعہ کراتے ہیں انگریزی دوائیوں میں عموماً سپرٹ پڑتا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ کس منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ شراب خواہ کسی نیت سے بھی پی جائے حرام ہے اور پینے والا مجرم ہے؟ گو احناف تو کہہ سکتے ہیں کہ تمام قسم کی شرابوں کا یہ حکم نہیں ہے مگر آپ کے پلے کیا ہے کہ اپنے آپ کو چھوڑ کر مفت میں عوام الناس کو مجرم قرار دے رہے ہیں

اصل بات یہ ہے کہ شراب چار قسم ہے اور شربت بھی چار قسم ہے۔ شراب قطعاً حرام ہے اور شربت حلال ہے۔

اقسام شراب
(۱) انگور کا کچا شیرہ گلا سڑا اور ابلا ہوا۔ (خمر)
(۲) انگور کا کچا شیرہ جب کہ آگ پر اس قدر پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم خشک ہو۔ (طلاء)
(۳) منقہ کا کچا شیرہ جب کہ وہ خود بخود ابل کر جھاگ دے (نقیع الزبیب)
(۴) تازہ کھجور کا کچا شیرہ جب کہ وہ خود بخود اُبل کر جھاگ دے (سکر)

عربی عرف عام میں اگرچہ خمر کا لفظ صرف شیرہ انگور پر ہی استعمال کیا جاتا ہے مگر آپ نے شیرہ کھجور کو بھی ممانعت میں اس کے ساتھ شریک کر کے فرمایا ہے کہ کھجور اور انگور میں شراب ہے اس لئے مفصل بالا چار قسمیں ممنوع ہیں۔

اقسام شربت
(۱) صرف منقہ یا صرف کھجور کا خیساندہ جسے بعد میں کچھ خفیف سا جوش دیا گیا ہو (نبیذ)
(۲) شہد مع انجیر یا گندم یا جو وغیرہ کا خیساندہ خواہ پکایا جائے یا نہ پکایا جائے۔ (نبیذ العسل)
(۳) منقہ اور کھجور کو ملا کر خیساندہ کر کے بعد میں خوب پکایا جائے۔ (خلیط)
(۴) انگور کا شیرہ جب اس قدر پکایا جائے کہ اس کی پوری دو تہائی خشک ہو جائے

پس اگر شراب سے معترض اقسام شربت مراد لئے ہیں تو اعتراض غلط ہے اور اقسام شراب مراد لئے ہیں تو ارادہ درست ہے اور الزام غلط (عینی شرح کنز صحیح مسلم، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، تبیین الحقائق - رد المحتار معراج الدرایہ شرح القدوری للبغدادی)

(۱) محرمات ابدی (ماں - بہن - بیٹی - خالہ - پھوپھی وغیرہ سے) عمداً نکاح

اور صحبت کرنے سے حد شرعی لازم نہیں آتی (احناف) ضرور آتی ہے (وہابی)

یہ سوال نہایت بیباکی سے گھڑا گیا ہے ورنہ اصل میں یوں ہے کہ ہمارے نزدیک ایسے شخص پر حد زنا قائم کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ اس کی بجائے اسے قتل کرنا واجب ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ یہ فعل جائز ہے اور اس کا مرتکب آزاد ہے بلکہ یوں سمجھو کہ مشہور حد شرعی اسکو چونکہ ناکافی سزا تصور ہوتی ہے اس لئے اس کو صرف اسی سے ہی معذب نہ کیا جائے بلکہ احادیث کے مطابق حاکم شرعی کو اختیار ہے کہ اس کو جلا وطن یا قتل کرے۔ یا تعزیر سے بیشمار درے لگا کر لوگوں کے لئے باعث عبرت بنائے کیونکہ یہ جرم صرف زنا ہی نہیں بلکہ زنا سے بدتر ہے اور معترض کو بھی کہ جس نے حق بات کو چھپا کر جھوٹا جامہ پہنایا ہے حاکم شرعی اس وقت موجود ہو تو کچھ نہ کچھ سزا ضرور دے سکتا ہے۔

(۱۲) وضو میں عمامہ پر مسح کرنا درست نہیں (احناف) درست ہے (وہابی)

مغیرہ بن شعبہ رضی کی روایت سے یہ مسئلہ بنایا گیا ہے۔ اول تو اس نے دور سے دیکھا تھا۔ دوم۔ اس کی نگاہ کمزور تھی ممکن ہے کہ آنحضرت نے پگڑی ہٹا کر سر کا مسح کیا ہو ورنہ قرآن کے خلاف سر کا مسح چھوڑ کر پگڑی کا مسح کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ سوم۔ ایک دفعہ کا وقوعہ ترک عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے بعد کسی نے عمامہ پر مسح نہیں کیا۔

چہارم۔ شاید ابتدائے اسلام میں اس کا رواج ہوگا۔ مگر بعد میں منسوخ ہو گیا (تمام از امام نووی شرح مسلم۔ شرح سفر السعادت۔ موطا امام محمد) اب منسوخ پر عمل کرنا ہے تو کبھی بیت المقدس کی طرف ہی متوجہ ہو کر نماز پڑھ لیا کیجئے۔

(۱۳) نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے خواہ نماز کسی طرح ہو (احناف) فرض ہے اور اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ (وہابی)

اب سب سے پہلے ہم کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ سے فاتحہ خلف
الامام پڑھنا ثابت نہیں (عینی) اس لئے ہمیں انکی اقتدا میں کوئی ہرج
نہ ہوگا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے کہ (واذا قرئ القرآن
فاستمعوا له وانصتوا) قرآن شریف پڑھا جائے تو غور سے سنو۔ اور کان
لگا کر توجہ کرو۔ پھر جب مقتدی خود بھی امام کے پیچھے پڑھتا رہے (انصتوا
کان لگا کر سننے) پر کب عمل ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے واذا قرء الامام فانصتوا
کہ امام پڑھتا ہو تو کان لگا کر سنتے رہو۔ پھر فرمایا کہ امام کی قرأت مقتدی کو
کافی ہے یعنے اس کے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ ایک دفعہ سری نماز میں
(ظہر عصر) میں آپ قرأت آہستہ پڑھ رہے تھے۔ لوگوں نے کچھ پڑھنا شروع کیا تھا
تو آپ نے ان کو ڈانٹ دی تھی کہ اگر کچھ پڑھنا ہے تو صرف الحمد پڑھ سکتے ہو جس سے
ثابت ہوتا ہے کہ الحمد کا پڑھنا صرف جوازی صورت پر تھا فرض نہیں تھا اور وہ بھی
آپ نے رضامندی کی حالت میں اجازت نہیں دی تھی بلکہ اصل منشا آپ کا یہی
تھا کہ بہتر ہے کہ فاتحہ بھی نہ پڑھو۔ سو احناف بھی یہی کہتے ہیں کہ نہ پڑھنا بہتر
ہے اگر کوئی پڑھ لے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پھر صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ
رہا ہے اگر قرات فاتحہ فرض ہوتی تو اس میں اختلاف کے کیا معنے تھے؟ چند
صحابیوں نے تو یہاں تک تشدد کیا ہے اور کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے
والے کے منہ میں آگ ڈالو یا کنکریاں ڈالو۔ بعض نے یوں کہا ہے کہ اس کی نماز
ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ قرآن شریف کے خلاف کرتا ہے۔ امام صاحب سے لوگ اسی
مسئلہ پر بحث کرنے آئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا کہ سب مل کر ایک سرکردہ مقرر
کر کے بحث کر لو ورنہ تمام کا شور و شغب کرنا بیقاعدگی ہوگی تو انہوں نے ایک کو
منتخب کیا کہ اس کی ہار جیت ہماری ہار جیت ہوگی تو آپ نے فرمایا کہ جواب ہو گیا

اور بحث ختم ہو گئی کہ قرأۃ الامام قرأۃ لہ کا مفہوم بھی یہی ہے اس
وقت لوگ منصف مزاج بھی تھے فوراً سمجھ گئے اور آپ کی ذہانت کی
داد دیکر رخصت ہو گئے۔ باقی رہا یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو فاتحہ الکتاب
اور کچھ زائد نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی تو اس کا جواب اول یہ
ہے کہ رکوع میں مقتدی شامل ہوتا ہے تو اس کی رکعت صحیح شمار
ہوتی ہے گو اس نے فاتحہ الکتاب نہیں پڑھی ہوتی بلکہ امام کی فاتحہ الکتاب
ہی اس کے کام آتی ہے۔ دوم یہ ہے کہ رکوع سے پہلے ایک منٹ یا ایک
سیکنڈ جو شخص ملا ابھی فاتحہ الکتاب شروع کریگا تو امام رکوع چلا جائیگا
پھر الحمد پڑھے تو رکوع جاتا ہے اور رکوع کرے تو الحمد جاتی ہے اب
خواہ مخواہ اسے الحمد چھوڑ کر رکوع کرنا پڑیگا اور الحمد کے بغیر وہ رکعت درست
ہو جائیگی۔ اور چونکہ رکوع میں شامل ہوا ہے اس لئے اس رکعت کو دہرا بھی نہیں سکتا۔
سوم یہ ہے کہ الحمد کی فرضیت سوائے اس مقتدی کے ادا نہیں ہو سکتی
جو شروع سے ملا ہو ورنہ ذرہ دیر کے بعد ملنے والوں کی تو شامت آجائیگی
کیونکہ وہ الحمد شروع کریگا تو امام کبھی ولاالضالین تک پہنچ چکا ہوگا تو پھر
اب آمین کہے تو الحمد کے درمیان آمین آگئی ترک کرے تو اس حدیث
کا خلاف ہوگا کہ جس میں یہ ہے کہ اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا
آمین۔) جب امام ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اور کبھی یہ صورت
پیش آئیگی کہ امام نے سورت شروع کی ہوگی تو اب اگر الحمد پڑھ کر اپنی
توجہ قرآن سے پھیریگا تو (انصتوا) کا خلاف ہو جائیگا اور اگر یہ تجویز
کیجائے کہ امام وقفہ کرتے ہوئے ایک ایک منٹ ٹھہرتا جائے جس میں بعد
میں ملنے والے الحمد پڑھ سکیں مگر یہ طریق اول تو صرف الحمد کے ختم کرنے

ملک ہی تجویز کیا گیا ہے سورت میں منقول نہیں ہوا۔ دوم رکوع میں یا رکوع کے قریب ملنے والے کو تو الحمد کسی صورت حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ رکعت بالاتفاق ائمہ اسلام درست ہو گی مگر تمہارے نزدیک فرض بھی ترک ہو گیا ہے اب سوائے اس کے کہ یوں کہو کہ ایسے مقتدیوں کی نماز ناقص رہی۔ فاسد نہیں ہوئی۔ کوئی چارہ نہ ہو گا۔ اور یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ الحمد فرض نہیں ہے، نماز میں الحمد کا وجود ضروری ہے خواہ امام کی نیابت سے حاصل ہو۔ یا الگ ہو کر خود پڑھے ورنہ نماز ناقص رہے گی جس سے نماز کا اعادہ ضروری ہو گا اور یہی ہمارا عین مذہب ہے کہ قرآن شریف میں ہم کو عام قرأت کی اجازت دیتا ہے کہ (فاقرؤا ما تیسر من القرآن) قرآن جہاں سے چاہو پڑھ لیا کرو۔ اور لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کا حکم اس عام اجازت کو محدود کر کے فاتحۃ الکتاب پر مجبور کرتی ہے تو ذرہ سی قرآن کے خلاف ہو گی اس لئے یوں کہا جائے گا کہ مطلق قرأت فرض ہے اور فاتحۃ الکتاب واجب ہے ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ حدیث نے قرآن کو منسوخ کر دیا ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں بڑے زور سے نفی کر دی گئی ہے کہ تارک الحمد کی نماز ہی نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث محققین کے نزدیک صرف منفرد کیلئے ہے جو الگ نماز پڑھتا ہے ورنہ مقتدی کیلئے یہ دو حکم فضول ہو جاتے ہیں اذا قرء الامام فانصتوا اور قرأۃ الامام قرأۃ لہ۔ علاوہ بریں حدیث کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو الحمد کا پڑھنا ضروری ہے۔ باقی یہ کہ ایک دفعہ پڑھنا ہے یا ہر ایک رکعت میں یا خود پڑھنا ہے یا یہ کہ امام کا پڑھنا بھی کافی ہو گا اس کی نسبت کوئی تشریح نہیں۔ اس لئے یہ حدیث مجمل ہے اور باقی احادیث کی روشنی میں اس پر عملدرآمد کے لئے صرف منفرد ہی رہ

جاتا ہے مقتدی نہیں رہتا اور یہ بھی یاد رہے کہ اس حدیث میں ذاتی
نفی مراد نہیں ہے بلکہ صرف نقص مراد ہے کیونکہ اس کے بعد لفظ خداج
بھی واقع ہے جس کے معنے صرف نقص کے ہیں ذاتی نفی نہیں۔ اس معنے
کی شہادت دوسری احادیث سے بھی بیجا سکتی ہے کہ لاصلوٰۃ
لجار المسجد الا فی المسجد۔ مسجد کے ہمسایہ کی نماز صرف مسجد
میں ہی ہوتی ہے باہر نہیں۔ اب اگر کوئی ہمسایہ گھر پڑھے تو آپکے
نزدیک بھی اصل نماز تو ادا ہو جائے گی گو اس میں نقص رہے گا۔ اس
محاورہ کی احادیث ۲۰ تک پہنچ گئی ہیں جب ہی تو ہم کہتے ہیں کہ لاصلوٰۃ
الا بفاتحۃ الکتاب میں نقص مراد ہے ذاتی نفی مراد نہیں (تنبیہ الوہابین
عینی شرح صحیح بخاری، معالم التنزیل۔ مسند ابحنیفہ۔ موطا امام محمد
عینی شرح کنز وہدایہ۔ آثار السنن)

(۱۴) آمین پکار کر کہنی مکروہ ہے (احناف) جہری نماز میں آمین
پکارنا سنت ہے (وہابی)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بتلا دیا گیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنی تمام عمر میں صرف تین دفعہ آمین زور سے کہی تھی اور وہ بھی لوگوں کو
تعلیم کے لئے۔ دعائے قنوت۔ تشہد۔ اور دوسری قسم کے کلمات بھی
آپ وقتاً فوقتاً تعلیم کے لئے زور سے کہہ دیتے تھے اس لئے اس طرز
عمل سے آمین زور سے ہمیشہ کے لئے مقرر کر لینا یا اس قدر زور سے
کہنا کہ کانی شور مچ جائے اور مسجد گونج اٹھے۔ یا ایک آمین کی بجائے ضد
میں آکر تین دفعہ آمین پکارنا صرف ضد ہو گی ورنہ اس کے
کے تحت میں احیائے سنت کی بو نہیں آتی ورنہ اگر انصاف سے تو آہستہ
آمین کے متعلق جو احادیث وارد ہیں انپر بھی تو کبھی عمل کر لیا کریں۔
حضرت وائل بن حجر سے متعدد روایات کے رو سے آنحضرت کا طرز عمل

آہستہ آمین کہنے کا منقول ہے۔ عبداللہ بن مسعود تو اصولی طور پر کہتے ہیں کہ چار چیزیں ہمیشہ آہستہ ادا کیجاتی ہیں۔ سبحٰنک اللھم۔ اعوذ باللہ بسم اللہ۔ اور آمین۔ گویہ حکم آپ نے امام کی نسبت فرمایا ہے۔ مگر امام کی پیروی میں مقتدی پر بھی یہی حکم جاری ہوگا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بڑے زور سے فرماتے ہیں کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافقت ہوگی وہ بخشا جائیگا۔ اب چونکہ فرشتوں کی آمین سنائی نہیں دیتی ہمیں بھی آواز نہ اٹھانا چاہیئے۔ اور اگر یہ حکم واجب التعمیل تھا تو آپ یوں کہتے کہ جب امام ولاالضالین کہے تم چپ رہو اور جب آمین کہے تو آمین کہو۔ کیونکہ اس حدیث کا آغاز اسی طرز پر چلا آیا ہے۔ نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف قول سے جہر ثابت نہیں ہوتا ورنہ تمام دعائیں زور سے پڑھی جانی چاہیئں خواہ نماز میں ہوں یا نماز کے علاوہ کیونکہ عموماً ان کی نسبت یوں کہا گیا ہے۔ کہ فقولوا (تم کہو) خصوصاً جن آیات کے شروع میں قُل کا لفظ ہے وہ تو ہمیشہ جہر سے ہی تلاوت کرنی چاہئیں پھر آنحضرت علیہ السلام کا طرز عمل دو لفظوں سے پیش کیا جاتا ہے کہ رفع الصوت۔ مد الصوت (آپ نے آواز اونچی کی اور آواز لمبی کی مگر کہیں جہر کا لفظ نہیں) آمین زور سے کہنی کہیں منقول نہیں۔ احناف کے نزدیک بھی رفع الصوت اور مد الصوت تسلیم کیا گیا ہے کہ آمین مد سے کہو یا بغیر مد کے۔ اسی طرح ذرا اونچے تلفظ سے بھی کہہ سکتے ہو کہ صرف پاس والا سن سکے۔ اتنے میں کسی قسم کا نقص پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض دفعہ نماز میں دعائیں پڑھی جاتی

پڑھی جا رہی ہے۔ حضرات آپ تو جہر آمین کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور سنت ثابت کرنے کو ہیں۔ مگر قرآن شریف زور سے پکار کر قرأت سے بھی روک رہا ہے کہ لا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلا اپنی نماز زور سے نہ ادا کرو اور نہ ہی بالکل پست قرأت سے بلکہ طریق وسط اختیار کرو۔ لیکن آج کل کا رواج ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو احناف کے ستانے کے لئے نماز میں اکٹھا ہو کر باواز بلند بڑے زور سے آمین کہنے کی تلقین کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں چھپر کی مسجد نبوی گونج اٹھتی تھی۔ واقعی چھپر اور گونج میں مناسبت ضرور ہے؟ نہ قرآن کا پاس ہے اور نہ ان احادیث کا کہ جن میں آپکا طرز عمل آہستہ آمین کہنے کا منقول ہے اور نہ ہی یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ فتنہ برپا ہوگا اور فتنہ انگیزی بحکم الفتنۃ اشد من القتل ایک بری چیز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آمین کی نسبت آپ نے کوئی صریح ارشاد نہیں فرمایا کہ آہستہ کہو یا زور سے جو کچھ منقول ہے آپکے طرز عمل سے یا دوسرے قرائن سے لیا جاتا ہے اور اس طریق اثبات میں احناف اور غیر احناف مساوی ہیں۔ پس احناف کو خلاف سنت یا بدعتی کہنا بالکل زبردستی ہے اور حق گوئی کے خلاف ہے ہم پھر ایک دفعہ اور آپ کو متوجہ کرتے ہیں کہ آمین دعا ہے کہ "یا اللہ قبول کر" اور دعا کی نسبت وادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ مذکور ہے کہ خدا کو عاجزی اور پست آواز سے پکارا کرو تشہد کی دعائیں بھی اس پر شاہد ہیں پہلے انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل بھی دعا کی نسبت رکوع یا سجود میں پست آواز کی ہی خبر دیتا ہے حضرت زکریا علیہ السلام کی نسبت تو قرآن نے تصریح ہی کر دی ہے کہ نادی ربہ ندا اخفیا۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ گو آمین کا طریق عمل شروع میں کچھ ہو مگر آخری عمل آہستہ کہنا ہی ثابت ہوتا ہے اور قرآن شریف بھی اس کی تائید کرتا ہے اب ہم کو از کم حضرات اہلحدیث سے اتنی

گذارش فرور کریں گے کہ جب تم کو ہمارے دلائل معلوم ہیں تو دن دھاڑے ہمیں
کیوں بدنام کرتے ہو کہ احناف کے مسائل خلاف قرآن اور خلاف حدیث
ہیں اگر تمہیں معلوم نہیں تو کسی محقق حنفی کے پاس بیٹھ کر معلوم کرو کہ
حنفی کس طرح قرآن وحدیث کی تحقیق میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں
اور کذب وبہتان یا افترا بازی سے باز آجاؤ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہیں اور ان پر
اصرار نہ کرو کیونکہ اصرار دوسرا کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ توبہ کرو ائمہ عظام کی
تحقیقات کے مقابلہ میں بحث بازی ہیچ سمجھو ورنہ یوں سمجھا جائیگا کہ ابلیس نے جو توحید
کو قائم رہنے کے واسطے آدم کو سجدہ نہ کیا تھا درست تھا اور جو دلائل احکام
الٰہی کے مقابلہ میں اسنے پیش کئے تھے سب درست تھے جس کی مذمت میں مشہور
ہے کہ اول من قاس الشیطان سب سے پہلے شیطان نے حجت بازی
شروع کی تھی (مسند احمد ابو یعلی۔ طبرانی۔ محلی شرح موطا۔ عمدة القاری
شرح صحیح بخاری۔ مرقات۔ دار قطنی۔ زاد المعاد۔ مستدرک ابو داؤد۔
طحاوی۔ برہان شرح مواہب الرحمان)

(۱۵) رفع یدین قبل از رکوع اور دوسری رکعت میں بعد از سجدہ سنت
نہیں (حنفی) سنت ہے (وہابی)

رفع یدین میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل اور صحابہ کا طریق تعمیل
دونوں طرح ہے کچھ روایات ایسے ہیں کہ جن میں رفع کا ذکر ہے اور کچھ ایسے
ہیں کہ ان میں ترک رفع مذکور ہے خود حضرت ابن عمر کی نسبت دو متضاد روایتیں ملتی
ہیں ایک میں رفع ہے اور دوسری میں ترک رفع۔ اس لئے ہم کسی ایک طرف کو
ترجیح نہیں دے سکتے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ حسب قاعدہ مدینی تاکہ عہد
رسالت کا آخری فیصلہ اور طریق عمل واجب التسلیم ہوتا ہے اور حسب
ہدایت نبوی کہ خلفائے راشدین کا طریق عمل ہی اختیار کرو۔ خود حضرت
ابن عمر جو شروع میں رفع یدین کے حامی تھے آخری عہد رسالت میں رفع یدین

چھوڑ بیٹھے تھے اور خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی رفع یدین کا طریق
عمل اختیار نہیں کیا۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ رفع یدین منسوخ ہو گیا تھا اور اس
پر عملدرآمد کرنا خلاف سنت ہے۔ ترک رفع یدین پر بیہقی کی حدیث کافی
ثبوت دے سکتی ہے کہ جس میں آپ نے صرف سات جگہ رفع یدین کرنا
فرمایا ہے۔ تکبیر تحریمہ۔ تکبیرات عیدین۔ بوسہ حجر اسود۔ صفا مروہ
عرفات۔ مزدلفہ۔ اور رمی الجمار۔ نیز امام مسلم کی حدیث جابر سے بھی
مطلق رفع یدین فی الصلوٰۃ کی ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ ایک دفعہ
آپ نے صحابہ کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ نماز میں
آرام اور سکون اختیار کرو۔ تم کس لئے اسی طرح رفعیدین کر رہے ہو
کہ دور سے معلوم ہوتا ہے کہ طاقتور سرکش گھوڑے دم اٹھا اٹھا کر
مار رہے ہیں واقعی بہت سے لوگ جب رفعیدین کر رہے ہوں دور
سے گھوڑے کے دم کی حرکت کا نقشہ کھینچتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں
بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ رفعیدین صرف ایک دفعہ ہی کافی تھا اور
مناسب تھا کہ آپ یوں فرماتے کہ مالکم رفعتم تم کس لئے ہاتھ اٹھاتے ہو علاوہ بریں
بالتصریح موجود نہیں کہ جبکہ سلام تو آپ سے پہلے صحابہ نماز ہی میں بیتاب ہو رہے تھے
وہ کون تھا وہ خود ہی ایکدوسرے کو سلام کہتے تھے یا کوئی اور تھا۔ خود رسول خدا
تشریف لاتے ہیں تو سلام کے لئے ہاتھ نہیں پڑھایا جاتا۔ دوسروں کے لئے
نماز میں بھی آرام نہیں پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جس کو سلام دے رہے تھے
اگر ایک طرف تھا تو ضروری ہے کہ اس طرف کو صحابہ نے منہ بھی پھیر لیا ہوگا اور
اگر وہ خود آکر ہر ایک سے مصافحہ کر رہا تھا تو ضرور تھا کہ بجائے نماز میں آکر اتفا
قاً ہوگا بہرحال نماز میں منہ پھیرنا یا سجدہ گاہ میں داخل ہونا۔ رفعیدین سے
زیادہ معیوب تھا جس سے آپ نے منع کیوں فرمایا؟!
معیوب ہے اس لئے یہ واقعہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا تھا

مشہور رفع یدین سے زیادہ چسپاں ہے اور منسوخ ہے کیونکہ عربی گھوڑے اپنی دُم اوپر سے نیچے مارتے ہیں جو عین رفع کے لفظ سے چسپاں ہے۔ سلام کے لئے دائیں بائیں یا سامنے ہاتھ بڑھایا جاتا ہے اٹھایا نہیں جاتا۔ ہاں اگر لفظ (یعنی مادون) کہ ہم اپنے ہاتھ بڑھا رہے تھے ہوتا تو بیشک مطلب صاف تھا بہر حال حسب اصول محدثین کہ راوی اپنی حدیث روایت کی ہوئی پر عمل نہ کرے تو یوں سمجھو کہ وہ حدیث منسوخ ہے اور قابل عمل نہیں رہی آنحضرت ابن عمر کی روایات سے رفع یدین ثابت کرنا مشکل ہوگا۔ عبداللہ بن زبیر نے تو صاف ہی اعلان کر دیا تھا کہ رفع یدین آنحضرت نے پہلے پہل کیا تھا مگر بعد میں رفع یدین ترک کر دیا تھا (عینی شرح بخاری) مختصر یوں ہے کہ ابتدا اسلام میں یا دو سجدوں کے درمیان بھی تکبیر کہتے ہوئے رفع یدین کا رواج تھا جس میں حضرت ابن عمر زیادہ حصہ لیتے تھے۔ اب حضرات غیر مقلدین سجدوں کے درمیان رفع یدین منسوخ مانتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ رکوع اور قیام کا رفع یدین بھی منسوخ ہے۔ خود مسند امام ابو حنیفہ میں رفع یدین کا فیصلہ موجود ہے کہ آپ پر امام اوزاعی نے اعتراض کیا تھا کہ آپ رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو آپ نے بروایت عبداللہ بن مسعود یہ ثابت کیا تھا کہ رفع یدین کے نسبت کوئی قول نبوی یا طرز عمل ثابت نہیں ہوا تو امام شعبی نے بروایت حضرت ابن عمر ثابت کیا تھا کہ طرز عمل نبوی رفع یدین ثابت ہے جس پر امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ابن مسعود ابن عمر سے کم معتبر نہیں ہیں اس لئے ان کا کہنا زیادہ پختہ معلوم ہوتا ہے پھر امام اوزاعی خاموش ہو کر چلے گئے تو اس واقعہ سے بھی زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین متروک ہے یا کم از کم کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے مگر گذارش یہ ہے کہ احناف جیسا اس قدر تحقیق مسائل میں

کرکے اپنا طرزِ عمل صحیح ثابت کرتے ہیں تو غیر مقلد ازاد منش کہ جن کو صرف حدیث کے لفظ سے ہی سروکار ہوتا ہے کس منہ سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ احناف کے مسائل سراسر قرآن و حدیث کے خلاف ہیں" (رسالہ براۃ ص۳۲) اب تحقیق کرنا ہو تو ذیل کی کتب سے تحقیق کرو (معانی الآثار طحاوی۔ عینی شرح صحیح بخاری عینی شرح ہدایہ۔ نور الانوار۔ کفایہ شرح ہدایہ) اگر یہ دیکھنا ہو کہ مذہب حنفیہ کے مطابق کون سے اصحاب فتوے دیتے تھے تو عینی شرح بخاری خوب غور سے دیکھو۔

(۱۶) نماز میں قومہ اور جلسہ فرض نہیں (حنفی) فرض ہے (وہابی)

بیشک فرض نہیں۔ واجب ضرور ہے کیونکہ جس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپ نے آرام کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہاں آپ نے اخیر پر ارشاد فرمایا تھا کہ اگر اس طرز عمل سے تم نے کچھ کمی کی تو تم یہ سمجھ رکھو کہ تم نے اپنی نماز میں کمی کی" یہ نہیں فرمایا کہ تیری نماز فاسد ہو جائے گی۔ سادہ سمجھ کے آدمی یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ آرام سے نماز ادا کرنے کا حکم دینا گویا قومہ اور جلسہ کی فرضیت کا مثبت ہے۔ بہت خوب! قوت اجتہادیہ اتنی اور امام صاحب کے فیصلہ پر ہنسی اور مخول! کیا ہی حق گوئی ہے اور کیا ہی ظلمتو ناد مبین علیٰ اہل عمل ہے (شرح ہدایہ و بخاری) صرف قل یا قولوا کہنے سے فرضیت ثابت ہونے لگتی ہے تو تمام دعائیں اور تسبیحات و تقدیسات فرض ہو جائیں گی کہ جن میں آپ کا ارشاد قل یا قولوا کا لفظ موجود ہے معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیثوں کے نزدیک واجب۔ فرض اور سنت میں کوئی فرق نہیں تینوں کا مفہوم انکے نزدیک صرف اتنا ہے کہ ان کی ادائیگی ہمیں لازم ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ قومی ہمدردی ہمارا فرض ہے یعنی ہمارا کام یا ڈیوٹی ہے اگر

۱۷۔ صبح کی جماعت ہو رہی ہو تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو سکتے ہو (احناف) شامل نہیں ہو سکتے (غیر مقلد)

جب یہ طریق عمل صحابہ سے منقول ہے تو مسلم کو ایسا کرتے کیوں روکا جائے خصوصاً جب کہ سنۃ الفجر کو بڑی تاکید سے پڑھوایا جاتا ہے تو پھر کس لئے موقعہ ہاتھ آتا ہوا ہم چھوڑ سکتے ہیں اور یہ اصول کہ فرضی جماعت کے موجودگی میں دوسری قسم کی کوئی نماز درست نہیں" قابل تسلیم ہے مگر صحابہ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قاعدہ کے حدود صرف جماعت کی صفوں تک ہی محدود ہیں ورنہ کسی پردہ کے پیچھے یا ذرا ہٹ کر اس قاعدہ کی وجہ سے ہمیں ممانعت نہیں کہ فجر کی سنتیں بھی نہ پڑھیں خصوصاً کہ جب اس اصول میں سنت الفجر کو مستثنیٰ بھی کر دیا ہے تو پھر کیا اعتراض ہوگا۔ اہل الحدیث کا یہ مطلب ہے کہ فرض پڑھ کر متصل ہی بعد میں ادا کرلیں مگر ہم یہ طرز عمل اس لئے اختیار نہیں کرتے کہ آپ نے ادائے صلوٰۃ فجر کے بعد اشراق تک اور ادائے عصر کے بعد غروب شمس تک نماز سے روک دیا ہے اس لئے یہ ممانعت ہمیں فرض کے بعد متصل سنت الفجر کی قضا سے روکتی ہے اور اس ممانعت میں سنۃ الفجر کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا گیا۔ تاکہ کچھ گنجائش ہو سکے۔ اہلحدیث نے خواہ مخواہ اسکو فرض فجر کا اضافہ تصور کر کے دونوں کو ایک نماز تصور کر لیا ہوا ہے جو محض زبردستی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ کوئی دلیل قرآنی یا اجماعی پیش نہیں کر سکتے۔ فرضاً اگر کوئی روایت لے بھی آئیں گے تو حدیث ممانعت کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ پھر چونکہ احناف سے مقابلہ ہے اس لئے ہمارے طریق عمل کو جو صحابہ سے چلا آ رہا ہے اور جس میں سنت بھی اپنے موقعہ پر ادا ہو سکتی ہے۔ اور جماعت بھی مل سکتی ہے ضرور خلاف سنت کہیں گے گویا اپنا طریق عمل کہ جس میں سنت اپنے موقعہ پر ادا نہیں ہو سکتی اور فجر کے نوافل وغیرہ ممنوع ہیں۔ نماز فرض کا اضافہ سمجھ کر سنت زندہ کر رہے ہیں شاید ان کے نزدیک فجر کی نماز چار رکعت ہے۔ مزید تشریح انہیں دیکھو (موطا امام محمد۔ طحاوی)۔ مسند ابی حنیفہ۔ عینی شرح

ہدایہ، بخاری وشرح کنز، ان کتابوں کی تصریحات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر نماز کو آتے ہیں اور جماعت شروع ہے آپ حفصہ کے گھر جو مسجد کا ایک حصہ تھا سنت پڑھ کر شامل ہوتے ہیں۔

(۲) عبداللہ بن مسعود کو یہ موقعہ پیش آیا ہے تو ایک ستون کے پیچھے سنتیں ادا کر کے شامل ہوتے ہیں۔

(۳) حضرت ابوالدرداء کو بھی یہی موقعہ پیش آیا تو آپ نے مسجد کے ایک کونہ میں سنت ادا کر کے جماعت حاصل کی۔

(۴) عبداللہ بن عباس آتے ہیں تو ایسے موقعہ پر آپ بھی ذرا ہٹ کر سنتیں ادا کرتے ہیں۔

(۵) حضرت ابوعثمان نہدی کا قول ہے کہ ہم ایسے موقعہ پر خلیفہ ثانی کے عہد میں سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوا کرتے تھے۔

(۶) امام طحاوی کہتے ہیں گو صحیح مسلم کی رو سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے مگر درحقیقت یہ حدیث صرف ابوہریرہ کا فتوے ہے آنحضرت کا فتوے نہیں، اور بعض روایات میں امام بیہقی یوں لکھتے ہیں کہ سوائے سنت فجر کے وقت کوئی دوسری نماز جائز نہیں۔ اور قابل غور یہ امر بھی ہے کہ از روئے حدیث مسلم و بخاری کے جماعت کیوقت کھانا کھالینے کی اجازت ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ قرأت سن کر بھی کھانا بند نہیں کرتے تھے تو سنن فجر کہ جن کو آپ نے کبھی ترک نہیں کیا، اور فرمایا کہ اگرچہ تم پر گھوڑے حملہ آور ہوں تب بھی نہ چھوڑو کیونکہ ان میں رغائب ہیں کیسے چھوڑ دینا خلاف سنت ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے چھوٹے صحابہ پڑھتے آئے ہیں۔ مگر افسوس! آج کہا جاتا ہے کہ یہ خلاف سنت ہے ہاں خلاف سنت اہلحدیث ضرور ہے

(۹) ایک رکعت وتر پڑھنا جائز نہیں (فتویٰ حنیفہ) ایک رکعت افضل ہے اور

رغائب
وغیرہ

تین پانچ بھی درست ہے (اجتہادد ہا بیہ)

اسمیں کلام نہیں کہ حضرت ابن مسعود کی روایت سے ایک رکعت وتر کی بندش معلوم ہوتی ہے۔ اور

امام طحاوی نے یہ تحقیق کی ہے کہ وتر ایک رکعت سے سات رکعت تک

پڑھے جاتے تھے مگر آخر میں جو متفقہ اور محتاط طریق ثابت ہوا وہ یہی

ہے کہ نماز وتر تین رکعت ہے اور اسی طرح ادائیگی ہوتی رہی ہے جس طرح کہ حنفی

ادا کرتے ہیں۔ ذیل کی تصریحات سے اسپر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔

(۲) ابو جعفر عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر کا قول ہے کہ آپ عشا اور فجر

کے درمیان تیرہ ۱۳ رکعت پڑھتے تھے ۸ نفل ۳ وتر اور ۲ رکعت فجر یا نفل

بعد وتر۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ رات کو گیارہ رکعت سے

زائد نہیں پڑھتے تھے (خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان) ۴ + ۴ + ۳

(۴) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک رات آپ نے دو۔ دو رکعتیں آٹھ

تک نفل پڑھے تھے۔ دو تین وتر پڑھے۔

(۵) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نماز وتر میں دوسری رکعت پر آپ سلام

نہیں پھیرتے تھے۔

(۶) امام نسائی روایت سابق بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

(۷) ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ صلوٰۃ بُتیراء سے ممانعت کی گئی ہے کہ ایک ایسی

رکعت پڑھی جاسے کہ جس سے پہلے کم از کم دو رکعت شامل نہوں۔

(۸) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ وتر بعینہ نماز مغرب کی طرح ہیں اور ایک رکعت وتر

جائز نہیں۔

(۹) متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص۔ اب یہ کہنا کہ حنفی سنت کے خلاف ہیں سراسر افترا ہوگا۔ یا کہ تین رکعت یوں نہیں کہ پہلے دو رکعتیں کہیں پھر تیسری رکعت الگ۔ اس کی تصریح موجود نہیں ہے خود بخود کھینچ تان سے کام لیا گیا ہے کیونکہ ایک رکعت (وتر) الگ رکعت پڑھنے سے ممانعت کی گئی ہے اور ذیل کے فقہاء تابعین کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ سعید بن مسیب عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید، عبیداللہ بن عبداللہ، سلیمان بن یسار۔

(۱۰) گاؤں میں جمعہ فرض نہیں (حنفی) گاؤں میں جمعہ فرض ہے (وہابی) جمعہ کی فرضیت میں کلام نہیں مگر جائے ادائیگی میں اختلاف ضرور ہے بہر ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ ادا کرنے کی صورت میں ایک نئی صورت اور پیدا ہو جاتی ہے عہد رسالت میں نہ ہی گاؤں میں جمعہ ادا ہوا اور نہ ہی ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ ادا کرنے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ مدینہ کے اردگرد مضافات میں لوگ نوبت بنوبت آکر آپ کے پیچھے نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگ ظہر ادا کرتے تھے۔ گو یوں کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے پیچھے جمعہ ادا کرنے کو لوگ فضیلت تصور کرتے تھے مگر جب دوسری نمازوں کی جماعت متعدد جگہ ہوتی تھی تو اس کی جماعت بھی متعدد ہونے میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ کیونکہ فرضیت میں دونوں یکساں ہیں یا کم از کم جو لوگ آپ کے بعد جمعہ پڑھنے سے معذور تھے وہ مجاز ہوتے کہ اپنی اپنی جگہ نماز ادا کر لیتے۔ مدینہ کے بعد شہر جواثی میں جمعہ قائم کیا گیا جو ایک باقاعدہ شہر کا حکم رکھتا تھا عام

طور پر گو جواثے کو بھی قریہ کہا جاتا تھا مگر اس محاورہ کے رو سے مکہ طائف اور خود مصر کو بھی قرآن شریف میں قریہ کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرف عام میں گو ہر ایک شہر کو قریہ کہتے تھے مگر عرف خاص اور شرعی اصطلاح میں ایسے شہروں کو قریہ نہیں کہا گیا کیونکہ شہر اور دیہات میں جو فرق ہے وہ ہر کس و ناکس کو معلوم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ شہر میں جمعہ فرض ہوگا اور دیہات میں جمعہ وعیدین قائم کرنا شعار اسلامی کے طور پر سنت اسلامی تصور ہوگا ورنہ کسی طرح دیہات میں جمعہ مفروض نہیں جیسا کہ اس مسئلہ کے متعلق عینی شرح صحیح بخاری، آثار السنن، مرقاۃ شرح مشکوۃ اور دیگر کتب سے ثبوت مل سکتا ہے کہ

(۱) حضرت علی کا فتوے ہے کہ شہر جامع یا بڑے شہر کے سوا جمعہ وغیرہ فرض نہیں (فتح القدیر، بنایہ، املاء مصنفہ امام یوسف۔

(۲) علامہ زیلعی تبیین الحقائق میں لکھتے ہیں کہ اگر دیہات میں جمعہ فرض ہوتا تو اس کے متعلق ضرور عام طور پر اعلان ہوتا اس لئے دیہات میں جمعہ فرض نہیں ہے۔

(۳) ابن اثیر اور جوہری نے تسلیم کیا ہے کہ جواثی جہاں جمعہ قائم کیا گیا تھا شہر ہے جو بحرین کے قلعہ سے مشہور تھا (مبسوط)
علاوہ بریں یہ ثبوت بہم نہیں پہنچا کہ آنحضرت کے حکم سے وہاں جمعہ قائم کیا گیا۔ فقط ابن عباس اتنا فرماتے ہیں کہ وہاں جمعہ قائم ہوا۔

(۴) یہ ثبوت مشکل ہوگا کہ خلفائے راشدین کے عہد میں ممالک مفتوحہ میں گاؤں بہ گاؤں جمعہ کا التزام کیا گیا تھا۔

(۵) جمعہ کا ن حجۃ الوداع پر مسلمانوں کی جمعیت کافی تھی مگر جمعہ کی بجائے صرف ظہر ہی پڑھی گئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسافر مسلمانوں

کی جمعیت نمبر کے بغیر کہ جہاں وہ اپنا انتظام کئے ہوئے ہوں۔ جمعہ کی فرضیت پیدا نہیں کرتی (آثار السنن)

(۲۱) عام فقہا لکھتے ہیں کہ غیر اسلامی ممالک میں مسلمان اگر اپنا امام گورنمنٹ کے ماتحت الگ منتخب کرلیں جو ان کے درمیان اسلامی حکومت کے قواعد نافذ کرسکتی ہو تو وہ انکا بادشاہ تصور ہوگا اور ان کا شہر اسلامی جامع شہر کہا جاویگا مگر یہاں ہندوستان میں یہ انتظام بھی نہیں ہے۔

(۲۲) اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے (حنفی) جائز ہے (وہابی)

عام طور پر جائز اور مکروہ میں فرق حلال وحرام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مکروہ اور جائز دونو کبھی ایک جگہ جمع بھی ہو جاتے ہیں جیسے یہ کہ اردو وغیرہ میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے مگر جائز ہے۔ سر ننگے نماز مکروہ ہے مگر جائز ہے صرف تہبند میں نماز جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ عبادات کی ملازمت مکروہ ہے مگر جائز ہے۔ غرضیکہ اس قسم کے ہزاروں مسائل ہیں جو جائز اور مکروہ دونو ہیں۔ اسی طرح اندھے کو امام بنانا بھی مکروہ ہے مگر جائز ہے۔ کیونکہ اندھے کو پاک پلید میں تمیز نہیں ہوتی اور اسمیں دوسروں کی نسبت ایک نظری کمی ہے کہ جس کی وجہ سے جنگ وجمعہ وعیدین میں بھی غیر حاضر رہنے کا مجاز ہے ہاں اگر وہی امامت کے قابل ہو تو دوسروں پر اسی کو ترجیح ہوگی حضرت عبداللہ بن مکتوم عہد رسالت میں امامت کرتے تھے مگر آپ کی نظر صرف کمزور تھی بالکل اندھے نہ تھے اور بڑے عالم بھی تھے۔ چنانچہ سورہ عبس کی تفسیر میں علامہ طبری وغیرہ نے ثابت کیا ہے الاشباہ والنظائر اور محیط میں لکھا ہے کہ اندھا سب سے بڑھکر عالم ہو تو اس کی امامت جائز ہے۔

بحر الحقائق میں ہے کہ عالم اور متقی اندھا دوسروں سے امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

(۲۳) نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ ناجائز ہے (حنفی)۔ ضرور پڑھنی چاہیے (وہابی)

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا ضروری ثابت کرنا بڑا مشکل ہے۔ ہاں یہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حرام نہیں ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی طرز عمل کیا ہے وہ یہی ہے کہ نہ پڑھا جاوے۔ کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب۔ علی ابن ابیطالب عبد اللہ بن عمر۔ ابوہریرہ عطا۔ طاؤس۔ سعید بن المسیب ابن سیرین ابن جبیر۔ شعبی اور حاکم اور حضرت امام مالک کا فتوےٰ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے اور جن صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے پڑھی ہے تو انہوں نے دعا سمجھ کر پڑھی تھی مگر بعد میں نہ پڑھنے کا فتوےٰ دیا گیا ہے (فتح القدیر) ابوداؤد میں ہے کہ میت کی نماز میں خالص دعا پڑھو جس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ قرآن نہ پڑھو۔ امام مالک بھی موطا میں ابن عمر کا طرز عمل یوں ہی لکھتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں قرآن شریف نہیں پڑھتے تھے۔ بہرحال یہ الزام اٹھ جاتا ہے کہ حنفی مذہب حدیث کے خلاف ہو

(۲۴) بچہ کو ڈھائی برس تک ماں کا دودھ پلانا جائز ہے (حنفی)

صرف دو سال تک پلانا جائز ہے پھر حرام ہے (وہابی)

رضاعت کا ذکر قرآن شریف میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ حمل اور رضاعت دونوں کی الگ الگ مدت تیس تیس ماہ یعنی اڑھائی اڑھائی سال ہے اس آیہ میں دو ایسے زمانوں کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ جو الگ الگ شخصیت رکھتے ہیں اس لئے ہر ایک کی مدت الگ الگ مساوی طرز پر اڑھائی اڑھائی سال ہوگی اس کی نظیر میں یوں کہا جا سکتا ہے

کہ کسی نے اگر یوں کہا کہ جولائی اور اگست اکیس دن کے ہوتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ دونوں کر اکیس دن پورے کرتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ الگ الگ ۳۱و۳۱ دن پورے کرتے ہیں۔ اس لئے امام صاحب اس آیت کے رو سے اس امر کے قایل ہوئے ہیں۔ کہ در حقیقت عنداللہ حمل اور رضاعت کی مدت ٹھیک اڑھائی اڑھائی سال ہے مگر والدین کو دو سال تک کا معاہدہ بھی جائز ہے جس کی وجہ سے رضاعت کی مدت صرف دو سال پر ختم ہوسکتی ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ عنداللہ اڑھائی سال ہیں اگر والدین کو اختیار ہے کہ اپنے نزدیک مدت رضاعت دو سال تک بھی ختم کرسکتے ہیں اسی طرح حمل کی مدت بھی عنداللہ اڑھائی سال ہے مگر عندالناس دو سال سے زائد نہیں کیونکہ عموماً دو سال کے بعد پیٹ میں بچہ نہیں ٹھہر سکتا اور چونکہ جزوی واقعات کو نظر انداز کیا گیا ہے اس لئے دو سال کے بعد کا حمل بیماری وغیرہ تصور کیجاتی ہے۔ اب دوسری آیت رضاعت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ (والدات یرضعن اولاد حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعۃ) اگر کسی شخص کا دو سال پر ہی معاہدہ رضاعت کو ختم کرنے کا ارادہ ہو تو والدہ بھی اپنے بچوں کو دو سال پورے دودھ پلائیں۔ کیونکہ عرب میں دودھ پلانے والی عورتیں الگ طور پر ملازم رکھی جاتی تھیں جن کا معاہدہ تقریباً دو سال تک ختم ہوجاتا تھا۔ اب خدا فرماتا ہے کہ ہمارے نزدیک تو مدت رضاعت اڑھائی سال ہے مگر اُن کو اختیار ہے کہ اڑھائی سال کے اندر ہی اندر پورے دو سال کا معاہدہ پورا کرائیں اور یہ بجا اختیار ہے کہ والدہ کو ہی ملازم رکھ کر بچے کو دودھ پلایا جائے اور یہ بیگانی عورت کو دینا ہے۔

اسی کو دیدیا (حولین کاملین) پورے دو سال تک معاہدہ ہو سکتا
ہے مدت سے زائد نہیں۔ کیونکہ پھر بچہ خوراک پر زندگی بسر کر سکتا ہے۔
اب دوسرے ائمہ مجتہدین کے نزدیک چونکہ مدت رضاعت صرف دو
سال ہی ہے لہذا انہوں نے وہ باریک بینی نظر انداز کر دی ہے جو امام نے
پیش کی تھی اس لئے اس آیہ کریمہ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ (حملہ وفصالہ
ثلثون شہرا۔) حمل کم از کم چھ ماہ ہوتا ہے اور مدت رضاعت زیادہ
سے زیادہ دو سال ہوتی ہے اس لئے دونوں کی مجموعی مدت تیس ماہ یا اڑھائی
سال ہوگی۔ اب امام کی نیک بینی دیکھیے کہ آپ نے احتیاط کو ملحوظ
رکھتے ہوئے دوسرے ائمہ سے اتفاق بھی ظاہر کیا ہے کہ احتیاط اسی
میں ہے کہ دو سال کی مدت تک رضاعت کو ختم کر دیا جائے اور حنفی
مذہب کا فتوے بھی اسی متفقہ قول پر ہے کہ رضاعت دو سال ہے
اب بلا دلیل قول امام کو یا مذہب حنفی کو خلاف قرآن کہنا نہایت ہی
دشمنی کا کام ہے۔

(۲۵) عقیقہ ناجائز بلکہ مکروہ ہے (حنفی)، بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن
عقیقہ سنت ہے (وہابی)

اس مسئلہ کے پیش کرنے میں نہایت چالاکی سے کام لیا گیا ہے جس میں یہ ثابت
کرنا منظور ہے کہ نعوذ باللہ۔ امام ابو حنیفہؒ اپنی شریعت خود ساختہ کے احکام
پیش کر کے شریعت نبویہ کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اصل بات یوں ہے کہ جب سے قربانی
شروع ہوئی ہے تب سے دوسری قسم کے تمام جانوروں کو جس اہتمام سے ذبح
کیا جاتا تھا غیر ضروری سمجھا گیا۔ امام محمد اپنی کتاب حدیث موطا میں فرماتے
ہیں کہ عقیقہ شروع اسلام میں فرض سمجھا جاتا تھا مگر بعد میں اس کی

فرضیت جاتی رہی ہے۔ کیونکہ قربانی نے جاہلیت کے تمام ذبیح منسوخ کر دیئے ہیں جو رجب وغیرہ میں دیا کرتے تھے رمضان نے پہلے روزوں کی فرضیت اٹھا دی ہے جو عاشورا وغیرہ میں رکھے جاتے تھے اور غسل جنابت نے تمام پہلے عیدین جمعہ وغیرہ کے غسلوں کی فرضیت کو منسوخ کر دیا ہے اور زکوٰۃ کی فرضیت نے تمام دوسری قسم کے صدقات کی فرضیت کو منسوخ کر دیا ہے۔

اب جس طرح روزہ عاشورا۔ غسل جمعہ۔ غسل عیدین اور عام صدقہ خیرات مستحسن اور پسندیدہ ہے اسی طرح عقیقہ بھی استحسان کے درجہ پر قائم ہے یہ فرض نہیں رہا کہ اس کے ترک سے کفر عائد ہو جائے۔ اس لئے مخالف کا الزام لگانا بیجا ہوگا کہ عقیقہ امام صاحب کے نزدیک ناجائز ہے۔ ہاں ہم اس کی فرضیت کو ماننے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ قرآن و حدیث سے ثابت کیا جائے کہ خدا نے عقیقہ کا حکم دیا ہے یا رسول خدا نے لفظ امر کے ساتھ عقیقہ کا حکم دیا ہے۔ عہد رسالت کا کوئی واقعہ بدوں اس کے کہ اس کے جاری رکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہو صرف اتنا ثابت کرتا ہے کہ یہ امر مستحب اور بہتر ہے ورنہ اس کی فرضیت یا سنت متواتر ہونا مشکل امر ہوگا۔

(۲۶) فرضی روزہ کی نیت بجائے رات کے دن کو زوال تک کر سکتے ہیں (حنفی) صرف رات کو ہی کر سکتے ہیں (وہابی)

قرآن شریف میں حکم ہے کہ صبح صادق تک تم کھا پی سکتے ہو اس کے بعد الی اللیل تک روزہ ختم کرو۔ اس طرز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صبح کے بعد روزہ کی نیت شروع ہوتی ہے اور ایک دفعہ عاشورا کے دن آپ نے

منادی یہی کرادی تھی کہ جو شخص طلوع فجر کے بعد کچھ کھا چکا ہے وہ باقی دن میں شام تک کھانا پینا بند رکھے اور جنہوں نے ابھی کھانا نہیں کھایا وہ روزہ کی نیت کریں اور روزہ رکھیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ عہد رسالت کی منادی دوپہر سے پہلے ہوئی تھی اور آپ نے قبل از دوپہر روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا اس لئے احناف قرآن وحدیث کے ماتحت اگر حکم دیتے ہیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ ہم قرآن وحدیث کے خلاف کر رہے ہیں (تبیین الحقائق فتح القدیر۔ بخاری مسلم)

(۲۷) راستہ سے کسی کی چیز ملجائے تو چند دن ہی اس کی تشہیر کرنا کافی ہے (حنفی) کافی نہیں بلکہ ایک سال تک تشہیر ضروری ہے (وہابی) اصل سوال یوں ہے کہ تشہیر کی مدت معین نہیں ہے اگر کسی کو آج ایک خربوزہ پڑا ہوا ملجائے۔ یا پانچ سیر پختہ آلو ملجائیں۔ یا ایک دو کنستر دودھ کے ملجائیں تو کیا وہ یہ چیزیں اپنے پاس رکھکر سال بھر تشہیر اور منادی کر سکتا ہے کہ میرے پاس وہ گلی سڑی چیز پڑی ہے جس کی ہے اٹھا کر لیجائے نہیں بلکہ اس چیز کی حیثیت کے مطابق تشہیر ہوگی۔ خواہ ایک ساعت ہو۔ یا ایک سال۔ اب ہمارے ذمہ صرف چند دن تشہیر کا الزام تھوپنا اور اپنے ذمہ سال بھر کی تشہیر کا مشکل کام ذمہ لے لینا نہایت ہی دشوار اور خلاف واقع ہوگا۔ طیبی شرح مشکوۃ میں ہے کہ حدیث شریف میں ایک سال تک تشہیر کی بابت جو کہا گیا ہے وہ عام حالات کے رو سے ہے ورنہ بعض صورتوں میں کم وبیش بھی ہو سکتی ہے مثلاً ایک قافلہ دو سال یا تین سال کے واپس آتا ہے تو کیا صرف ایک سال کی تشہیر کافی ہوگی؟ نہیں بلکہ اصل حکم یہ ہے کہ عام اشیاء کے متعلق کہ جن کی

نسبت یہ خیال پیدا ہو کہ اس کا مالک ایک سال کے اندر واپس آسکتا ہے
سال تک تشہیر کرو۔ اور جب مالک واپس آجائے تو اُس سے علامت یا
شہادت لیکر چیز واپس دیدو۔ خود غریب ہو تو سال کے بعد کھا جاؤ۔ اور
اگر وہ پیسے ہی ضائع ہونے کو ہے تو اُسے استعمال کر دو پھر مالک کو دریافت
کے بعد قیمت ادا کر دو۔ اور جب سونا چاندی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں تو امانت
رکھو جب کبھی اس کا مالک آجائے واپس کر دو۔ تشہیر کی ضرورت حضرت
علی کرم اللہ وجہ کی روایت سے بالکل ہی نہیں رہتی کہ آپ کو ایک دینار
پڑا ہوا مل گیا تھا تو آپ نے آنحضرت سے سوال کیا تھا کہ کیا کریں تو آپ صلعم نے
فرمایا تھا کہ یہ خدائی رزق ہے تو اسے خرچ کر کے حضرت جناب رسالتمآب
حضرت علی اور حضرت فاطمہ نے کھا لیا تھا بعد میں ایک عورت اپنا دینار
تلاش کرتی ہوئی آئی تو آپ نے دینار واپس کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک
اور حدیث میں ہے کہ ایسی چیز پر گواہ رکھ لیا کرو مالک آئے تو واپس
کرو۔ ورنہ یہ خدا کا مال ہے خرچ کر ڈالو (ابوداؤد) ان دونوں روایتوں
سے حنفی مذہب کا دامن بالکل صاف ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں تو آنحضرت
نے تشہیر کرنے کو (خواہ ایک منٹ کی ہو) بھی نہیں کہا۔ مگر حنفی احتیاطاً
دوسری روایات پر عمل کرتے ہوئے سب کچھ کرتے ہیں اور تعجب ہے
کہ ان کا طرز عمل پھر بھی خلاف قرآن اور خلاف حدیث بتلایا جاتا ہے۔

(۲۸) اگر کوئی شہر کا آدمی عید سے پہلے قربانی کرنی چاہے تو کسی
دیہات پر کر سکتا ہے (حنفی) ایسا کرنا سراسر حدیث کے خلاف ہے (ردّ ثانی)
یہ مسئلہ ایک اصول پر قائم ہے وہ یہ کہ آیا دیہات میں عید کی نماز صرف
شعار اسلامی کے طور پر قائم کی جاتی ہے یا واجب ہے۔ حنفی مذہب میں چونکہ

جمعہ کی طرح عید کے لئے بھی اسلامی شہر کا ہونا ضروری ہے اس لئے دیہات
میں یہ اس طرح کی واجب نہیں جو اسلامی شہر میں ہوتی ہے۔ اور جب
دیہات میں عید صرف شعار اسلامی ہے تو نماز سے پہلے بھی قربانی جائز
ہوگی اور آپ نے جو یہ فرمایا تھا کہ جو لوگ عید سے پہلے قربانی کرتے ہیں۔ انکو
عید کے بعد دوسری دفعہ قربانی کرنا چاہئے یہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے
کہ جن پر عید واجب ہے۔ ورنہ اس وقت کے دیہات میں قربانی کا وقت
بعد از نماز عید مقرر کرنا کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ امام مسلم و بخاری کی دوسری
احادیث میں تو یہ شرط بھی مذکور نہیں صرف اتنا لکھا ہے کہ قربانی کے دن
صرف تین ہیں دسویں کا دن اور دو دن بعد" مجموعہ تین دن ہوئے
مگر افسوس کہ اہلحدیث چودھویں کو بھی قربانی کا دن مقرر کر لیتے ہیں
اور اس حدیث کے خلاف ہو کر بھی عامل بالحدیث بنے رہتے ہیں
اور ہم عامل بالقرآن والحدیث ہو کر بھی خلاف قرآن و حدیث مشہور
کئے جاتے ہیں۔

باب دوم

یہاں تک تو مولف براۃ اہلحدیث نے وہ مسائل پیش کئے تھے کہ جن میں
اس کی مجتہدانہ کچھ اور تھی اور مذہب حنفیہ کا طرز عمل کچھ اور تھا۔ اب دوسری
قسم کے اور اعتراضات پیش کئے ہیں کہ جس کی نسبت اس نے صرف یہی
کہدیا ہے کہ بدستور سابق یہ بھی قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ اور اپنی
ذاتی رائے کچھ بھی ظاہر نہیں کی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حنفی مذہب کے مطابق

چونکہ خلفائے اسلام کے وقت حکومت کرتے رہے تو نئی سے نئی صورتیں اور اسلئے مقدمات پیش ہوتے تھے اور قاضی کو مجبوراً کسی اصول کے ماتحت فیصلہ دینا پڑتا تھا لیکن آج تک کسی دوسرے مذہب کو یہ فروغ حاصل نہیں ہوا۔ خصوصاً موجودہ اہلحدیث کا مشرب تو بالکل ہی نیا ہے اور انکے چار مجتہد یہی نئے ہیں۔ نواب صاحب وحید الزمان۔ شوکانی۔ ابن تیمیہ وغیرہ۔

(۱) خلفائے راشدین کے قاتل مسلمان تھے (حنفی)

یہ فعل جہالت کا ثبوت دیتا ہے کیونکہ یہ ہر ایک ذی عقل کو معلوم ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کا جزو نہیں۔ ورنہ جو شخص آج اسلام قبول کرتا ہی مر جاے آپ کے نزدیک مسلمان نہ ہوگا۔ ہاں یہ سچا ہے کہ اعمال صالحہ سے خدا راضی ہوتا ہے اور برائیوں سے خدا خفا ہوتا ہے اور جسقدر اسلامی امور کی نسبت فرد فرد انسان کا تعلق زیادہ ہوتا چلا جائے اسی قدر ایمان کی قوت بڑھتی جاتی ہے۔ قتل مسلم دو طرح ہے ایک اس طرز پر کہ چونکہ وہ مسلم ہے اس لئے قتل کرنا ضروری ہے تو اس قسم کا قتل غیر مسلم کر سکتا ہے مسلم نہیں کر سکتا۔ دوم اس طرح پر کہ کسی مسلم کو عداوۃً یا کسی اسلامی زد میں لا کر قتل کرے تو اس میں وہ قاتل فاسق قرار دیا جائیگا اور اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ یا اگر قتل عمداً کا مرتکب ہوگا تو جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا مگر یہ نہیں کہ اس کو مرتد قرار دیکر واجب القتل سمجھا جائے کیونکہ قتل مسلم سے کسی کو اسلام سے خارج کرنا قرین انصاف نہیں۔ عہد صحابہ میں مسلمان آپس میں لڑتے رہے ہزاروں کی تعداد میں جا پہونچے ہیں کیا آپ کے نزدیک بحکم القاتل والمقتول کلاھما فی النار۔ قتل المسلم

جمعہ کی طرح عید کے لئے بھی اسلامی شہر کا ہونا ضروری ہے اس لئے دیہات میں عید اس طرح کی واجب نہیں جو اسلامی شہر میں ہوتی ہے۔ اور جب دیہات میں عید صرف شعار اسلامی ہے تو نماز سے پہلے بھی قربانی جائز ہوگی اور آپ نے جو یہ فرمایا تھا کہ جو لوگ عید سے پہلے قربانی کرتے ہیں انکو عید کے بعد دوسری دفعہ قربانی کرنا چاہیے یہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے کہ جن پر عید واجب ہے۔ ورنہ اس وقت کے دیہات میں قربانی کا وقت بعد از نماز عید مقرر کرنا کہیں نہیں ملتا۔ بلکہ امام مسلم و بخاری کی دوسری احادیث میں تو یہ شرط بھی مذکور نہیں صرف اتنا لکھا ہے کہ قربانی کے دن صرف تین ہیں دسویں کا دن اور دو دن بعد" مجموعہ تین دن ہوئے مگر افسوس کہ اہلحدیث چودھویں کو بھی قربانی کا دن مقرر کر لیتے ہیں اور اس حدیث کے خلاف ہو کر پھر بھی عامل بالحدیث بنے رہتے ہیں اور ہم عامل بالقرآن والحدیث ہو کر بھی خلاف قرآن وحدیث مشہور کئے جاتے ہیں۔

باب دوم

یہاں تک تو مولف براۃ اہلحدیث نے وہ مسائل پیش کئے تھے کہ جن میں اس کی مجتہدانہ رائے کچھ اور تھی اور مذہب حنفیہ کا طرز عمل کچھ اور تھا۔ اب دوسری قسم کے اور اعتراضات پیش کئے ہیں کہ جس کی نسبت اس نے صرف یہی کہدیا ہے کہ یہ دستور سابق یہ بھی قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ اور اپنی ذاتی رائے کچھ بھی ظاہر نہیں کی شاید یہی وجہ تھی کہ حنفی مذہب کے مطابق

چونکہ خلفِ اسلام کے وقت حکومت کرتے رہے تو نئی سے نئی صورتیں اور الٹے سے الٹے مقدمات پیش ہوتے تھے اور قاضی کو مجبوراً کسی اصول کے ماتحت فیصلہ دینا پڑتا تھا لیکن آج تک کسی دوسرے مذہب کو یہ فروغ حاصل نہیں ہوا۔ خصوصاً موجودہ اہلحدیث کا مشرب تو بالکل ہی نیا ہے اور انکے چار مجتہد بھی نئے ہیں۔ نواب صاحب وحید الزمان۔ شوکانی۔ ابن تیمیہ وغیرہ۔

(۱) خلفائے راشدین کے قاتل مسلمان تھے (حنفی)

یہ طعن جہالت کا ثبوت دیتا ہے کیونکہ ہر ایک ذی عقل کو معلوم ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کا جزو نہیں۔ ورنہ جو شخص آج اسلام قبول کرتا ہی مرجاے آپ کے نزدیک مسلمان نہ ہوگا۔ ہاں یہ سچا ہے کہ اعمال صالحہ سے خدا راضی ہوتا ہے اور برائیوں سے خدا خفا ہوتا ہے اور جسقدر اسلامی امور کی نسبت فرداً فرداً تصدیق کا تعلق زیادہ ہوتا چلا جائے اسی قدر ایمان کی قوت بڑھتی جاتی ہے۔ قتل مسلم دو طرح ہے ایک اس طرز پر کہ چونکہ وہ مسلم ہے اس لئے قتل کرنا ضروری ہے تو اس قسم کا قتل غیر مسلم کر سکتا ہے مسلم نہیں کر سکتا۔ دوم اس طرح پر کہ کسی مسلم کو عداوۃً یا کسی اسلامی زد میں لاکر قتل کرے تو اس میں وہ قاتل فاسق قرار دیا جائیگا اور اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ یا اگر قتل عمداً کا مرتکب ہوگا تو جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا مگر یہ نہیں کہ اس کو مرتد قرار دیکر واجب القتل سمجھا جاے کیونکہ قتل مسلم سے کسی کو اسلام سے خارج کرنا قرین انصاف نہیں۔ عہد صحابہ میں مسلمان آپس میں لڑتے رہے ہزاروں کی تعداد میں جا پہونچے ہیں کیا آپ کے نزدیک بحکم الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ کِلَاهُمَا فِي النَّارِ دونوں قتل المسلم

کفر، سب کافر ہو کر واصل جہنم ہونگے۔ بے سمجھ آدمی تو من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر سے تمام دنیا اسلام کو کافر کہہ دیتے ہیں۔ انکے نزدیک شاذ ہی دنیا میں کوئی مسلمان رہ گیا ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ بے علم اہلحدیث کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ اگر اسلام کی دو پارٹیاں برسر پیکار ہوں تو تم انہیں پکڑ کر اپنے بھائیوں کی صلح کرادو۔ جب انکے نزدیک قتل مسلم سے قاتل مرتد ہی ہو جاتا ہے تو یہ حکم الٰہی کیسے درست ہو سکتا ہے کہ تم اپنے بھائیوں سے صلح کرادو۔

(۲) قتل امام حسینؓ بھی موجب کفر نہیں ہے (حنفی)

اہلحدیث تو پچھلے دنوں ترک موالات میں آکر تمام دنیائے اسلام کو کافر قرار دے چکے ہیں یہاں تک کہ کھدر پوشی پر کفر و اسلام کا معیار قائم ہو گیا تھا اب ایسا رخ بدلا ہے کہ مدعی نبوت کے پیرو بھی ان کے اسلامی بھائی ہیں مگر ابھی تک شریف مکہ چونکہ حنفی تھا کافر غدار ہی رہا بڑا کہا جاتا ہے۔ اور ہر روز اہلحدیث کے مساجد میں شیعہ صاحبان کی طرح قرآن شریف کے ترجمہ میں احناف پر کفر و شرک کا تبرا بولا جاتا ہے۔ شاید ان تمام امور کے دلائل مسلم و بخاری میں موجود ہوں گے۔ ورنہ ہم سے کبھی احادیث و آیات کا مطالبہ بیجا اور زبردستی ہوا کرتی۔ بہر حال حنفی مذہب ہی تھا کہ جس نے اہل اسلام کی تکفیر سے کنارہ کیا تھا اور ثابت کر دیا تھا کہ (لا نکفر اھل القبلۃ مالم ینکرو اضروریات الاسلام) جب تک کسی سے اصولی مسئلہ کا انکار ثابت نہ ہو ہم کسی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ مگر کافر نہ کہنے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ وہ فاسق و فاجر یا بدذات نہ ہوا بہ

یا کچھ اور کا اور بھی نہیں سمجھا جائیگا اسی اصول پر ہم کہتے ہیں کہ الحر بالحر کے مطابق قاتل واجب القتل ہوگا۔ داخل جہنم ہوگا۔ ملعون ہوگا اور سب کچھ ہوگا۔ مگر بحکم من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ وہ اپنے کلمہ شہادت کا بدلہ ضرور پاوے گا۔ خود امام ابو حنیفہ اس مسئلہ میں خاموش ہیں صرف اس لئے کہ اس واقعہ کے صحیح حالات پورے طور پر معلوم نہیں ہوئے موافق و مخالف اسقدر روایات ہیں کہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے خاموشی بہتر ہے۔

(۳) حنفی مذہب میں ہے کہ اگر کسی کی نکسیر بند نہ ہوتی ہو تو اس کی پیشانی پر خون یا پیشاب سے قرآن لکھنا جائز ہے۔

یہ روایت صحیح نہیں اور نہ ہی اس پر عمل ہے بلکہ یہ روایت اس جماعت کی خود ساختہ ہے جو تعویذات اور منتر جنتر کے ذریعہ لوگوں سے کچھ وصول کرتے رہتے ہیں اس قسم کے لوگ آجکل موجودہ اہلحدیث میں زیادہ ہیں جو کہدیتے ہیں کہ گیارھویں کرنا شرک ہے اور گیارھویں کا حلوا مانڈا حلال طیب ہے۔ معلوم نہیں یہ کس حدیث میں آیا ہے یا کس آیت کا مفہوم ہے؟ فرض کرو یہ روایت صحیح ہے مگر اس صحیح مسئلہ کے خلاف ہے کہ بے وضو ہی قرآن شریف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا اس لئے یہ روایت مقبول نہیں ہے۔ لانہ لیس قول الامام بل ہو قول الاسعاف :-

(۴) بکری کا بچہ سورنی کے دودھ سے پالا جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا یہی مسئلہ بالفرض اگر موجودہ اہلحدیث سے پوچھا جائے تو وہ کس حدیث سے اسے ممنوع یا حرام قرار دیں گے جب کہ وہ سانڈے اور گوہ تک حلال طیب کہدیتے ہیں ایسے لوگ اگر ایسا بکرا کھا لیں گے تو کیا حرج ہوگا۔ حنفی اپنے اصول کے مطابق اگرچہ آخر جواز کے درجہ پر رکھتے ہیں

اور حلال طیب نہیں کہہ سکتے. کیونکہ ان کے نزدیک تو گلی کوچوں میں پھرنے والی
مرغی بھی جب تک کچھ عرصہ کے لئے بھوکی نہ رکھی جائے حلال طیب نہیں ہوتی کیونکہ
وہ نجاست خوار ہے۔ لاپرواہ مذہب ہے تو موجودہ اہلحدیث کا ہے کہ جن کے
اصول کے مطابق شربت کے گلاس میں ایک قطرہ پیشاب ڈالنا کوئی ہرج پیدا
نہیں کرتا اور کنوئیں سے ہزاروں جانور مر نکل آئیں اور رنگ بو یا مزہ
نہ بگاڑیں تو پانی پاک رہتا ہے۔ یہ مذہب ایسا محتاط ہے تو گندی نالی
کی سبزی پاخانہ کھانے والی بیبڑ اور انگریزی ادویات۔ ولایتی اشیاء
خوردنی (کہ جنہیں عموماً خمر و خنزیر کا جزو ضرور ہوتا ہے) اور اس قسم کی
دوسری ادویات مشک۔ عنبر۔ سہاگہ پیپد اور مومیائی وغیرہ سے
کیوں نہیں پرہیز کرتے۔ کیا بدنام ہونے کو حنفی ہی رہ گئے ہیں۔ ورنہ
اُن کا اصول ایسا پختہ اور مقبول عام ہے کہ اسی سے تمہارا بھی چھٹکارہ
ہوسکتا ہے کہ چیز کی اصلیت تبدیل ہوجائے تو حکم بھی بدلجاتا ہے۔
اسی اصول پہ گوبر اور لید کی تمام پیدا وار بھی حلال ہوسکتی ہے ورنہ
حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

(۵) گدھی کا دودھ پاک ہے (حنفی)

اہلحدیث کے پاس اس کے نجس ہونے کی کیا دلیل ہے؟ ھاتوا برھانکم
ان کنتم صادقین۔ جناب حلال اور حرام اور چیز ہے اور پاک و پلید
اور چیز۔ پاک کہنے کا یہی مطلب ہے کہ اگر اس کا قطرہ کپڑے یا بدن پر
لگ جائے تو بعض کے نزدیک وہ نجس ہوگا کیونکہ وہ بھی گوشت کا
حکم رکھتا ہے اور بعض نے اس کے پسینہ پر قیاس کرکے پاک کہا ہے
کیونکہ آنحضرت گدھے پر سوار ہوئے ہیں اور اُنکے پسینہ سے آپ نے

پرہیز نہیں کیا۔ یہ تو ہوا احناف کا مذہب۔ مگر موجودہ اہلحدیث کے نزدیک اس قسم کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے بلکہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ بچے کے پیشاب سے گھوڑے کے بول وبراز سے گائے بھینس یا بھیڑ بکری کی مینگنی اور گوبر سے مطلقاً پرہیز نہیں۔ یہاں تک لاپرواہی ہے کہ پیشاب کے بعد بعض دفعہ نہ ڈھیلا استعمال کیا کرتے ہیں اور نہ پانی۔ پاجامہ ویسا ہی ناپاک رہتا ہے۔

(۶) امام ابو یوسف کے نزدیک سور کا چمڑا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے منیتہ المصلی میں لکھا ہے کہ آدمی اور خنزیر کی کھال کے سوا تمام قسم کی کھالیں رنگت دینے سے پاک ہو جاتی ہیں اور یہی حدیث کا مطلب ہے۔ جو مسلم بخاری میں موجود ہے۔ اور زیر اعتراض روایت متروک العمل ہے زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں لفظ رُوِی کا موجود ہے جو صاف کمزوری پر زور دیتا ہے۔

شائد ابو یوسف نے خیال کیا ہو گا کہ حدیث میں ہر قسم کی کھال کو پاک کہا گیا ہے خواہ آدمی یا خنزیر کی ہی ہو تو سب سے پہلے یہ الزام اہلحدیث پر عائد ہوتا ہے

(۷) اگر کتا۔ گیدڑ وغیرہ حرام جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کئے جائیں۔ تو پاک ہو جاتے ہیں اور کھال پر نماز درست ہے (حنفی)

اس مسئلے سے کوئی یہ نہ سمجھیئے کہ وہ حلال بھی ہو گئے ہیں حرام ویسے کے ویسے ہی ہیں۔ اس مسئلہ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس موجودہ صورت میں اگر بدن یا کپڑے سے ایسے جانوروں کا کوئی

کیونکہ آپ نے حضرت ابن مسعود کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ جب تم عبدہ ورسولہ تک پہنچ جاؤ گے تو تمہاری نماز ختم ہو جائیگی پھر درود دعا پڑھنا موکدہ سنت ہے۔ آخری قعدہ ترک سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ التحیات نہ پڑھنے سے نماز کا دہرانا ضروری ہے۔ درود دعا کی ترک سے ترک سنت ہے اور ثواب کا نقصان ہے نماز دہرانا ضروری نہیں اور دہرانا ثواب ہے اور سلام کہکر نماز ختم کرنا واجب ہے اسے حکم ہے کہ وضو کر کے پھر لوٹ کر سلام کے ساتھ نماز ختم کرے یا از سر تو نماز دہرائے یہ ہے اصل مسئلہ۔ باقی رہا یہ کہ جو شخص صرف فرائض ہی ادا کرنا چاہتا ہے اور واجبات یا سنن سے اسے کوئی واسطہ نہیں وہ اگر صرف عبدہٗ ورسولہٗ تک پڑھ کر بولنے لگ جائے یا کھانے پینے لگ جائے یا کوئی اور ایسا کام کرنے لگ جائے جو نماز میں جائز نہیں تو اس کی نماز جائز ہو جائے گی اور فرض سر سے اتر جائے گا گو وہ شخص ثواب سے محروم ہو گا۔ اسی طرح اگر مجبوری کی حالت میں کسی کی ہوا سر جائے جب کہ وہ عبدہٗ ورسولہ ختم کر چکا ہے۔ اور کسی عذر کیوجہ سے دوبارہ وضو نہیں کر سکتا تو یوں کہا جائیگا کہ اس کی نماز ہو گئی اور فرض سر سے ٹل گیا اسی طرح اگر کوئی بیباک اور آزاد منش عبدہ ورسولہ کے بعد دیدہ و دانستہ زور سے گوز لگا کر نماز ختم کرے گا تو گو نماز کا دہرانا اس کے ذمہ واجب ہے اور ثواب سے محروم ہو گیا اور اداب مجلس کے خلاف مسجد کی حرمت قائم نہ رکھنے کا مرتکب ہوا مگر فرض اس کے ذمہ سے ٹل جائے گا۔ اعمامتوں نے کہا ہے:

مطلب نہیں کہ ایسا ہوا کرے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ عند الضرورت یا عند العذر مجبوری کے وقت اس سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ آپ نے حضرت ابن مسعود سے فرمایا تھا کہ سجدہ دو سوئہ کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ بیٹھو یا جاؤ نماز پوری ہو چکی (ابوداؤد۔ طحاوی۔ عینی شرح بخاری) اب جو لوگ کپڑے موجود ہوتے ہوئے سر ننگے نماز ادا کر سکتے ہیں سنن اور نوافل کے تارک ہیں صلوٰۃ بتیرا ور (ایک رکعت نماز کی) کے عادی ہیں۔ نماز میں ادھر اُدھر دیکھ سکتے ہیں۔ تہبند سنبھال سکتے ہیں۔ پگڑی باندھ سکتے ہیں۔ دو چار قدم چل سکتے ہیں۔ سر اور پاؤں کی بجائے جورابوں اور پگڑی پر مسح کر سکتے ہیں اپنے پیشاب سے نہیں بچتے جس پانی میں مردار پڑا ہو اس سے وضو کر سکتے ہیں۔ شربت کے گلاس میں ایک قطرہ پیشاب ڈالنے کے مجوز ہو سکتے ہیں ان کا کیا حق ہے کہ ائمہ مجتہدین پر نکتہ چینی کریں اور تمسخر اڑائیں۔ کیا لنگوٹ کس کر نماز پڑھنے والے سے بھی یہ صورت بدتر ہے۔؟

(۱۱) اگر انگلی وغیرہ سے پاخانہ کی جگہ کا امتحان کرے اور وہ خشک رہے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس میں کیا ہرج ہے کہ کوئی شخص اپنا شک رفع کرنے کے واسطے رطوبت کا امتحان کرے اور یہ معلوم کرے کہ کوئی کرم یا رطوبت یا پاخانہ تو خارج نہیں ہوا! ہاں اگر وہ شخص آزاد منش ہے تو بیشک رطوبت نکلتی رہے خون یا سفید ٹپکتا رہے۔ پیپ وغیرہ رستی رہے صرف بھی کہکر نماز ادا کرتا جائیگا کہ ابھی تک ہوا تو نہیں سری۔ مگر حنفی مذہب بڑا محتاط ہے اسمیں فرائض بھی ہیں واجبات بھی ہیں سنتیں

بھی ہیں۔ مستحبات بھی ہیں۔ مکروہات وغیرہ بھی ہیں۔ پھر سنت موکدہ اور زائدہ میں فرق ہے اور مکروہ تحریمہ اور تنزیہہ میں فرق ہے۔ اداب مجلس ہیں۔ اداب مسجد ہیں غرضیکہ پورا فرق مراتب ہے یہ نہیں کہ جہاں کرنے کو کہا گیا یا کسی کو کرتے دیکھا تو فرض کا حکم لگا دیا اور اس کے ماسوا تمام چیزیں حرام قرار دی گئیں۔

(۱۲) انگلی پر ناپاک چیز شراب وغیرہ لگ جائے تو چاٹنے سے پاک ہو جاتی ہے اصول یہ ہے کہ آدمی کا تھوک پاک ہے اور اس کے ساتھ دوسری چیزیں پاک ہو سکتی ہیں۔ مخالفین اگر تھوک کو نجس قرار دیتے ہیں تو کوئی دلیل پیش کریں اگر پیش نہیں کر سکتے تو ان کو بھی حنفی مذہب کے مطابق فیصلہ دینا ہوگا کہ بچہ قے کرتا ہے تو اس کا منہ پلید ہو جاتا ہے پھر وہ دودھ پیتا ہے۔ تو پاک ہو جاتا ہے۔ شرابی کی انگلی پر شراب لگی ہے۔ اسے تین دفعہ خوب چاٹتا ہے وہ انگلی پاک ہو جائے گی پھر وہ انگلی اگر کسی نمازی کے جسم یا کپڑے سے لگ جائے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر غیر حنفی یا غیر مسلم نے پاخانہ سے اپنی انگلی صاف کر لی تو انگلی پاک ہو جائیگی۔ کیونکہ ان کے نزدیک ناحق دبراز سے تو لی نجاست ہے یا مخصوص ہے جب پاخانہ یا پیشاب کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تو اب اس صاف شدہ انگلی کبھی حنفی نمازی کے کپڑے یا بدن کو مس (ٹچ) کرے تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ ایسے مسائل ہیں یہ تصور دلاتا کہ چاٹنے والا حنفی ہوگا۔ یا کم از کم مسلم ہوگا قرین قیاس نہیں ہے بلکہ دوسروں کی نسبت ایسا خیال کرنا زیادہ موزوں ہے کیونکہ حنفی قاضی ہوتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ فقہائے احناف نے دوسروں کے حالات دیکھ کر ایسے بیہودہ مسائل لکھ دیئے ہیں تاکہ احناف کو آئندہ دقت نہ رہے۔

ذائل کرے

(۱۲) اگر شراب کھانے کی ہنڈیا میں ڈالیں یا شراب میں کوئی چیز ڈالکر سرکہ ملادیں توجب ترش ہو جائے تو اس کا کھانا درست ہے۔

یہ بالکل ظاہر ہے۔ کہ حنفی مذہب میں احادیث نبویہ کی طرح روایت کا بڑا اہتمام ہے۔ سب سے اول وہ روایات ہیں جو ائمہ مذہب کی کتابوں میں اور انکے اصل متن میں موجود ہیں پھر انکے شروح دوسرے مرتبہ پر ہیں۔ تیسرے درجہ پر فتاووں کے تخریجی مسائل ہیں۔
چوتھے درجہ پر وہ مسائل ہیں جو تخریج کرتے کرتے اصلی روایتوں سے دور جا پڑے ہیں جو زیادہ معتبر نہیں ہیں چنانچہ یہ مسئلہ بھی اس اصول کی شاخ ہے کہ کیا فطرت تبدیل ہونے سے حکم تبدیل ہو سکتا ہے!
حنفی مذہب میں انگوری شراب میں نمک ڈالا جائے اور دھوپ میں رکھ کر سرکہ بنا لیا جاوے تو جائز ہوگا۔ کیونکہ یہی انگور تھے کہ پہلے کھائے جاتے تھے۔ شیرہ نکال کر بار العلم یہی تیار ہوتا تھا گل سڑ کر کیڑے پڑ گئے اور انہیں نشہ آگیا ہے تو وہی انگور حرام ہو گئے ہیں۔ پھر اگر وہ عارضی صفت دور ہو جاوے تو انگور اپنی اصلی حالت پر واپس آسکتا ہے انگوری سرکہ تمام جائز رکھتے ہیں۔ سرکہ کی تعریف میں احادیث گواہ ہیں۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ موجودہ صورت میں وہ شراب سرکہ میں تبدیل ہونے کی وجہ سے گو کسی حد تک جواز کی صورت اختیار کرلیگی مگر اس مسئلہ کو پیش کر کے یہ جتلانا ہرگز صحیح نہ ہوگا کہ حنفی ایسا کیا کرتے ہیں یا اس کو حلال طیب سمجھتے ہیں یہ لوگ جب منی پیشاب مردار کے آس پاس کا پانی نجس سمجھتے ہیں تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ جائز کہنے سے یہ مطلب ہوگا کہ حلال طیب ہے کیونکہ حنفی مذہب میں جواز اور کراہت

کے احکام ایک وقت میں جمع ہو سکتے ہیں۔

(۱۴) شراب کے مٹکے میں چوہا مرجائے اور فوراً نکال لیا جائے تو اس شراب کو کیمیاوی تراکیب سے سرکہ بنایا جاسکتا ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ شراب سے سرکہ تیار ہو سکتا ہے اور چوہا مرا ہوا فوراً نکال لینے سے چوہے کی نجاست نہیں پھیلتی اور نہ ہی اس کی نجاست شراب کی نجاست کا مقابلہ کر سکتی ہے کیونکہ کنوئیں میں سے اگر چوہا مر کر نکلے تو غیر حنفی بھی پانی کو ناپاک تصور نہیں کرتے۔ کیونکہ ابھی رنگ بو اور مزہ نہیں بدلا۔ اب گو احناف میں اگرچہ یہ مسئلہ اختلافی ہوگا کہ ایسے مٹکے کی شراب سے سرکہ جائز ہوگا یا ناجائز۔ مگر غیر حنفی کا مٹکہ اگرچہ پانی کا ہی ہو تو ضرور پاک رہیگا تعجب اس امر کا ہے کہ شرابیوں کے مٹکے کی بڑی فکر کیجاتی ہے اور اپنے مٹکے کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اخیر میں ہم صاف کہتے ہیں کہ اس قسم کے مسائل متفقہ اور فتوے کے قابل نہیں ہوتے۔ یہ صرف اختلافی اور تخریجی مسائل ہیں جو موضوع یا کمزور احادیث کی طرح متروک ہیں۔ ان کو پیش کر کے تمسخر اڑانا خلاف تہذیب ہے۔

(۱۵) دارالحرب میں مسلمانوں کو سود لینا جائز ہے۔

یہ طعن صرف احناف پر ہی نہیں آج کل تمام مسلمان سود لینا جائز سمجھ رہے ہیں سب سے پہلے اسلامی ممالک نے سودی معاملات کا اجرا کیا ہے موجودہ حالات میں اب ہندوستان بھی ان کی پیروی کر رہا ہے حنفی تو صرف اسی صورت میں صرف سود لینا جائز سمجھے ہوئے ہیں کہ کوئی اسلامی سلطنت کا عمل ہو تو غیر مسلم سلطنت کو کافر سے سود لے سکتا ہے مگر وہ بھی جواز کی حد تک ہے۔ واجب نہیں۔ فرض نہیں اور مستحب نہیں لیکن

آزاد منش طبائع اور نئے نئے مجتہد اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ سود لینے کے سوا مسلمانوں کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی یوں بھی کہتے ہیں کہ سود تجارت ممنوع نہیں ہے بجز سود قرضہ ممنوع ہے نئے مجتہدوں نے کہ جنیں معبود اہلحدیث بھی شامل ہیں اسلام کا نیا رخ دکھانا شروع کر دیا ہے جو قطعۃ پہلے زمانہ میں دکھایا جاتا تھا۔ گویا دوسرے لفظوں میں انہوں نے اسلام کو ترمیم کر ڈالا ہے عیسائی بھی سمجھ گئے ہیں کہ پرانا اسلام دنیا سے جا رہا ہے اب نئے اسلام کا دورہ ہے اس لئے وہ دعویٰ باطل ہو گیا ہے کہ اسلام قابل ترمیم نہیں۔

(۱۶ و ۱۷) مشت زنی سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور مشت زنی جائز ہے۔

(فتاوےٰ برہنہ)

جواب سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ مشت زنی کرنے والا کس مذہب کا پیرو ہو سکتا ہے حنفی مذہب میں تو اس کو قطعاً حرام کہا گیا ہے۔ ہاں ابن تیمیہ وغیرہ کی کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ بغرض تسکین جائز ہے اس لئے بہت ممکن ہے کہ ایسا آدمی غیر حنفی ہو گا کیونکہ غیر حنفی ہی ابن تیمیہ کا فتوےٰ زیادہ تر معتبر سمجھتے ہیں۔ اب یوں سمجھنا چاہئے کہ غیر حنفی روزہ رکھ کر مشت زنی کرے تو حنفی مذہب کی رو سے اس کا روزہ قائم ہے کہ ٹوٹ گیا؟ جواب یوں ہو گا کہ قائم ہے کیونکہ مشت زنی اور چیز ہے اور جماع اور چیز ہے اس لئے مشت زنی کا مرتکب البتہ نہیں سمجھا جائیگا بلکہ اس کو یوں سمجھا جائیگا کہ بیماری سے منی خارج ہوئی یا احتلام سے اس کا مسئلہ معاف ہوا ہے۔ فتاوےٰ برہنہ متروک العمل ہے کیونکہ اس میں غیر

مذہب کی روایتیں بھی درج ہیں اس لئے اس کی روایت کا حنفی مذہب
مذہب ذمہ دار نہیں ہے۔
(۱۸) اگر مردہ نابالغ لڑکی یا جانور سے بدفعلی کیجائے تو
جب تک انزال نہ ہو نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ غسل واجب ہے
کیونکہ ان صورتوں میں منی خارج ہونے سے پہلے یوں سمجھا
جائیگا کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے استنجا کر رہا ہے اور اس
مسئلہ میں جس سے بدفعلی کا ارتکاب کیا گیا ہے وہ قضائے
شہوت کا ذریعہ نہیں ہیں اس لئے جماع میں داخل نہ ہوگا۔
ہاں یہ امر دوسرا ہے کہ یہ فعل کسی غیر حنفی نے کیا ہو کیونکہ اس کو
گنجائش ہے کہ یوں کہہ کر رہا ہو جائے کہ قرآن شریف میں
غسل اور روزے کے متعلق صرف زندہ عورتوں کا ذکر ہے
لڑکیوں اور جانوروں وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر حنفی مذہب کے
رو سے غسل تو اصولاً واجب نہیں ہے مگر تہذیباً واجب اور ضرور ہوگا
(دیکھو کتب فقہ اور اصلی مذہب)
(۱۹) فتاوے برہنہ میں ہے کہ آلہ تناسل پر کپڑا لپیٹ کر بیوی
سے صحبت کیجائے تو روزہ اور غسل واجب نہیں۔
اس فعل بد کا مرتکب بھی کوئی غیر شخص ہی ہو سکتا ہے کیونکہ جماع
کے سوا جماع کیطرف رغبت دلانے والی تعلقات سے بھی حنفی مذہب
میں روک دیا گیا ہے غیر حنفی ہی روزہ رکھ کر اخراج منی کے علاوہ
تقبیل۔ تفخیذ اور دوا رہ کے ساتھ مرتکب ہونے سے عار نہیں کرتے
لیکن جب ایسی صورت پیش آجائیگی تو یوں کہا جائیگا تو چونکہ منی

فارغ نہیں ہوئی اس لئے نہ روزہ ٹوٹا اور نہ غسل واجب ہوگا۔ اور نہ ہی فتاوٰے بوہنہ کا فتویٰ مسترد ہوگا۔

(۲۰) نابالغ زنا کرے تو اس پر حد شرعی نہیں۔

پہلے تو نابالغ سے زنا سرزد ہونا ہی قرین قیاس نہیں فرضاً ایسا واقعہ اگر پیدا ہو بھی گیا ہو تو چونکہ نابالغ احادیث کی رو سے غیر مکلف ہے اور کسی فرض کی ادائیگی اس سے تعلق نہیں رکھتی تو حد شرعی کس طرح اس پر عائد ہوسکتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا ہی کسی غیر حنفی کا ہوگا کیونکہ اس مذہب میں تو شرم اور حیا کی تعلیم ہے۔ غیر کی طرف دیکھنے اور زیادہ خلط ملط کرنے سے بھی روکا جاتا ہے۔

(۲۱) اندام نہانی کے اندر کی رطوبت پاک ہے۔ غایۃ الاوطار

حنفی مذہب میں منی پلید۔ پیشاب نجس۔ خون وغیرہ ناپاک اور نجس ہیں ہاں البتہ غیر حنفی زور دیتے ہیں کہ منی پاک ہوتی ہے اندرونی رطوبت بھی صحیح روایات کی رو سے نجس ہے۔ غایۃ الاوطار کی اس کمزور اور غیر مستند روایت کا اعتبار نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت شاید کسی غیر حنفی سے حاصل ہوئی ہے۔

(۲۲) مرتہن اگر مرہون لونڈی سے زنا کا مرتکب ہوجائے تو اس پر حد شرعی نہ ہوگی۔

حد شرعی نہ ہوگی کے یہ معنے ہیں کہ محدود سزا کے نیچے نہیں آئیگا۔ مگر یاد رکھو کہ وہ غیر محدود سزا کے نیچے ضرور لایا جائیگا کیونکہ زنا کی محدود سزا صرف اس عورت میں ہوتی ہے کہ جس میں کسی قسم کا شبہ یا غلط فہمی نہ ہوئی ہو جو لوگ نبوی فیصلہ جات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ حد شرعی کا قیام صرف یقینی اور غیر مشتبہ صورتوں میں ہوتا ہے اور تعزیری سزا میں

غیر محدود ہوتی ہیں۔ اور صرف شبہات اور غلط فہمیوں پر بھی جاری
کی جاتی ہیں اس صورت میں گو حد شرعی ہیں اصولی طور پر قابو
نہیں آسکتا مگر تعزیری حدود سے رہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اب اس
مسئلہ کی اشاعت سے احناف کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا حق گوئی
کے خلاف ہے کیونکہ حدیث میں ہی وارد ہے کہ ادرءوا الحدود
بالشبہات) مشتبہ صورتوں میں حدود شرعیہ ٹال دو۔
(۲۳) سوئی ہوئی عورت سے صحبت کرنے پر روزہ کا کفارہ نہیں ہے
اصل مسئلہ یوں ہے کہ عورت روزہ دار تھی اور خاوند روزہ دار نہ
تھا خاوند نے نیند کی حالت میں اس سے ہمبستری کی۔ اب عورت
پر صرف قضا ہوگی کیونکہ جماع اس سے سرزد ہو چکا ہے کفارہ
نہیں ہوگا کیونکہ وہ بے خبر تھی اس کی طرف سے رغبت نہیں پائی گئی
امام شافعی اس پر قضا بھی لازم نہیں کرتے کیونکہ وہ معذور اور
بے خبر تھی۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایسی صورتوں میں حنفیوں کو بدنام
کیا جاتا ہے شافعیوں کا نام تک بھی نہیں لیا جاتا پھر ایسی
صورتوں میں کہ جہاں صاف حدیث یا آیت موجود نہیں ہے
اہلحدیث کی خود رائی کا فتویٰ کیوں منظور ہوتا ہے۔ کیا یہ قیاس
نہیں ہوگا۔؟۔
(۲۴) بیوی میاں اگرچہ نکاح کے بعد ہمبستر نہ ہوئے ہوں اگرچہ
الگ الگ دور دراز کے ملکوں میں رہتے ہوں پھر بھی چھ ماہ
کے اندر جو بچہ پیدا ہوگا وہ انہیں کا ہوگا۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتا ہے مگر چونکہ ایک حدیث کے ماتحت ہے کہ زانی محروم ہوتا ہے اور بچہ ماں کا ہوتا ہے اور اس کی نسب زوجین سے ہوگی جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ملے کسی دوسری کی نسب ثابت ہوگی مخالفین کے پاس بھی سوائے اس فیصلہ کے چارہ نہیں ہو سکتا کیونکہ زنا وغیرہ کا کوئی قرینہ یہاں مذکور نہیں اور ایسے قرائن اگرچہ موجود بھی ہو جائیں تب بھی زانی محروم ہو جاتا ہے۔

(۲۵) دیوانی عورت سے ہمبستری کی تو مرد اور عورت دونوں کا روزہ تو ٹوٹتا ہے مگر کفارہ نہیں ہے۔

جامع صغیر میں امام محمدؒ نے یہ صورت یوں بیان کی ہے کہ دیوانی عورت روزہ دار ہے اور اس کے خاوند نے (کہ جس نے روزہ نہیں رکھا) اس سے ہمبستری کی تو دیوانی عورت پر قضا لازم ہے کفارہ نہیں ہے کیونکہ اس عورت سے رضامندی کا ثبوت ملنا مشکل ہے۔

(۲۶) اپنا بچہ گود میں لیکر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور کتے کے بچہ کو گود میں لیکر نماز پڑھے تو جائز ہے۔

اس مسئلہ میں پھر وہی بات آگئی کہ ایک چیز جائز اور مکروہ دونوں طرح ہو سکتی ہے اپنے بچہ کو گود میں لینے سے نماز کی ادائیگی میں فرق آجاتا ہے اور بچہ کی طرف دل لگا رہتا ہے اس لئے نماز مکروہ ہوگی اگرچہ فرض سر سے اُتر جائیگا لیکن جس طرح آنحضرت کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے اس طرح مکروہ بھی نہیں ہوتی کیونکہ آپ نے بچہ کو گود میں نہیں بٹھا رکھا تھا باقی رہا کتے کا بچہ سو اس کے بارہ میں عرض ہے کہ پہلے تو کتے کی موجودگی

ہی نماز کو مکروہ کر دیتی ہے احادیث کے رو سے کتا آگے سے گذر جائے تو نماز میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر گود میں بٹھانے سے نماز کیوں مکروہ نہ ہوگی۔ بہرحال ایسے فعل کا ارتکاب کسی حق پرست سے ممکن نہیں مگر چونکہ اسلامی عہد میں فقہ حنفیہ پر فیصلے ہوتے تھے تو قاضی کے پاس عجیب و غریب مقدمات پیش آتے تھے جن کو حوادث الفساد سے کہتے تھے۔ ایسے فسادی کارروائی عدالت تصور ہوتے تھے اور مصلحت وقتی پر نفاذ ہوتا تھا ورنہ یہ مطلب نہیں کہ ایسی ایسی گندی اور ناشائستہ تہذیب سے گری ہوئی صورتیں پیدا کرنے کی طرف حنفی مذہب توجہ دلاتا ہے۔

(۲۷) گونگا آدمی زنا کرے تو اس پر حد شرعی نہیں ہے۔

حد شرعی قائم کرنا بڑے احتیاط کا کام ہے شبہ یا غلط فہمی پیدا ہونے سے حد قائم نہیں ہو سکتی۔ اب گونگے کے خلاف گو شہادتیں موجود ہوں مگر جب تک اس کا صریح اقرار موجود نہ ہو قاضی حد شرعی قائم نہیں کر سکتا حضرت ماعز پر آنحضرتؐ نے حد قائم کی تھی تو چار دفعہ اقرار لیا تھا پھر تمام شبہات دفع کئے تھے کہ کہیں ہمبستری یا تقبیل وغیرہ کو زنا نہ سمجھتا ہو۔ اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گونگا زنا کرتا پھرے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے سیاسی درے خوب لگاؤ۔ جو بڑے سخت ہوتے ہیں

(۲۸) شوربے میں مرغی کا انڈا نکلتے ہی پڑ جائے تو شوربا ناپاک نہیں ہوتا۔

یہ مسئلہ اختلافی ہے اور اس میں کوئی پختہ روایت موجود نہیں ہاں حنفی اصول سے دو طرح اس مقدمہ کو حل کیا گیا ہے اول

یہ کہ اگر اس انڈے پر رطوبت ہے تو پھر وہ شوربا قابل استعمال نہیں رطوبت نہیں ہے تو وہ شوربا پلید نہیں ہوتا۔ اب کھانا نہ کھانا دوسری بات ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ حنفی مذہب کے رو سے تو ایسے مقدمات پیش ہوئے اور حل ہو گئے مگر موجودہ اہلحدیث کے سامنے ایسے واقعات پیش ہوں تو کیا جواب دیں گے۔

(۵۹) دبر میں انگلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اگر ٹوٹتا ہے تو کسی حدیث سے ثابت کرو۔ ایسے نامہذب فعل کا ارتکاب معلوم نہیں کس مادر و پدر آزاد سے ہوا تھا کہ قاضی کو یہ فیصلہ دینا پڑا۔ مگر خیال ہے کہ تعزیر ضرور اس پر جاری کی گئی ہوگی اگر اس طرح سے روزہ ٹوٹتا ہے تو منہ میں انگلی ڈالنے سے بھی ٹوٹ جاتا ہوگا۔

(۶۰) آلہ تناسل کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

صرف حنفی ہی اس کے قائل نہیں بلکہ ابن عباس جیسے بڑے بڑے صحابہ بھی قائل ہیں کہ آلہ تناسل کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور جن روایات میں ایسے موقعہ پر وضو مذکور ہوا ہے اس سے مراد صرف ہاتھ دھونا ہے کیونکہ یہ فعل مکروہ ہے اور میل کچیل لگ جانے کا احتمال ہے اس مسئلہ پر طعن کرنے والوں سے ایک قدرتی سوال پیدا ہوتا ہے کہ خصتین پر ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ کسی حدیث سے تو اس کا ٹوٹنا ثابت نہیں ہو سکتا۔ تو پھر مخول چہ معنے دارد۔

(۶۱) اگر کسی چارپایہ کو چھونے سے منی خارج ہو گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

موجودہ اہلحدیث کے نزدیک ٹوٹتا ہے تو کوئی حدیث پیش کریں ورنہ یہی مسئلہ

تسلیم کریں کیونکہ صرف ہاتھ لگانے سے عورت یا جماع کا حکم جاری نہیں ہوتا ورنہ ایسے آدمی پر غسل قائم ہوگی اور جب بچارے کو احتلام ہوگیا ہوگا وہ تو اہلحدیث کی زد سے مشکل ہی بچے گا (ایسے مفتی سے خدا کی پناہ)

(۳۲ و ۳۳) اپنی بیوی کی جائے مخصوص کے سوا کسی دوسرے عضو کو چھونے سے منی خارج ہوجائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزہ صرف جماع کی صورت میں ٹوٹتا ہے ورنہ احتلام۔ سیلان منی جریان یا شہوت کی نظر کرنے یا کسی عضو کو چھونے سے منی خارج ہوجائے تو قطعاً یہ فعل جماع متصور نہیں ہوگا گو یہ فعل چشم پوشی کے لائق نہیں، تنبیہ ضرور ہونی چاہئے مگر بلا ثبوت نص اس کا روزہ توڑنے کا حکم دینا بھی سخت بدعت ہوگا کہ جس کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں ملتا

(۳۴) کتے۔ بلی اور کسی جانور کو آواز دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

بعض اہلحدیث کے نزدیک تو کلام کرنے سے ہی نماز نہیں ٹوٹتی۔ بھلا کسی جانور کو جب کہ وہ نماز میں مزاحم ہو ہانکنے سے کیوں نہیں ٹوٹے گی حنفی مذہب میں کلام سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جانوروں کو ہانکنا کلام نہیں اس لئے نماز کا ٹوٹنا اہلحدیث کی طرف سے کسی دلیل کا خواستگار ہے لیکن اس مسئلہ کی حد صرف کسی مجبوری تک ہی محدود ہے ورنہ بلا ضرورت ایسے فعل سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

(۳۵) وہ کوا جو دانہ کھاتا ہے اور وہ کوا جو مردار بھی کھاتا ہے اور چمگادڑ یہ تینوں حلال ہیں۔

اصل مسئلہ کے رو سے البقع بڑا کوا غداف سیاہ کوا جو مردار

کھانے سے نہیں رکتے حرام ہیں چمگادڑ غلیظ چیز ہے مطلقاً حرام ہے۔
شاید موجودہ اہلحدیث کے نزدیک چمگادڑ جائز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سانڈہ اور جنگلی گوہ کے حلال ہونے پر بڑا زور دیتے ہیں ورنہ ہمیں تو قرآن شریف میں حکم دیا گیا ہے کہ (کلوا من طیبات ما رزقنکم) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے حلال اور طیب کھایا کرو۔ غلیظ اور تنفر آمیز اشیاء سے پرہیز کرو۔

(۲۶۳) نجاست غلیظ بقدر درہم معاف ہے اور جاٹنے سے ایسی غلاظت صاف ہو سکتی ہے۔

نجاست دو قسم ہے غلیظ اور خفیف۔ انسان کا بول براز اور حرام جانوروں کی لید مینگنی وغیرہ نجاست غلیظ ہیں اور ان میں کوئی ایسی حدیث یا آیت وارد نہیں ہوئی کہ ان کو پاک ظاہر کرے۔ حلال جانوروں کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے کیونکہ اس میں مختلف قسم کی روایتیں ملتی ہیں کہ پلید ہیں یا پاک! اور گوبر نجاست غلیظ ہے کیونکہ اس کو پاک خیال کرنے میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ملتی۔ نجاسات کا حکم یہ ہے کہ اس سے بدن اور کپڑے صاف رکھے جائیں اور اگر کسی مجبوری سے یا غفلت سے چوٹی نہر پیشاب وغیرہ لگ جائے اور دھویا نہ جائے تو جو نماز اس کپڑے سے ادا ہوئی جائز تصور ہوگی۔ کیونکہ اس قدر احتیاط بالکل مشکل ہے کہ ذرہ بھر بھی نجاست کا وجود نماز میں نہ ہو۔ ہمیں معترض پر تعجب آتا ہے کہ روزانہ اس کے پاجامہ پر قطرہ دو قطرہ پیشاب پڑتا ہوگا یا کم از کم جوتہ پر بقدر درہم نجاست ضرور پڑتی ہوگی۔ مگر اسکے نزدیک ایسے پاجامہ اور ایسے جوتہ سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔ بلکہ نیوف کہا

جاتا ہے کہ جوتوں اور بوٹوں میں نماز ادا کرنا سنت ہے۔

(۳۷) ان پر چور کی حد شرعی جاری نہ ہو گی۔ گھاس چور۔ کھیتی چور
مسجد چور۔ بچہ چور۔ کفن چور۔ بیت المال کا چور۔ اور غارت گر۔
شرع میں صرف اس چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے کہ جس نے محفوظ جگہ سے کم
کم دس درہم قیمتی مقبوضہ اور مملوکہ مال چرایا ہو باقی قسم کے چوروں سے
واپس دلایا جائیگا ہاتھ نہیں کٹے گا کیونکہ سلف صالحین اور عہد رسالت
کے فیصلے یوں ہی معلوم ہوتے ہیں اس لئے ہم کہتے ہیں کہ گھاس چور نے
مال محفوظ نہیں چرایا کھیتی چور نے بھی مال محفوظ نہیں چرایا۔ مسجد چور
کسی کا مال مملوکہ نہیں چرایا۔ بچہ چور نے مال ہی نہیں چرایا کیونکہ بچہ مال نہیں ہے
بلکہ خود مالدار ہو سکتا ہے کفن چور نے مال محفوظ نہیں چرایا اور مردے کی طرف
کوئی نالش بھی نہیں ہوئی کہ جس کی وہ کفن ملکیت تھا۔ بیت المال کے
حق عامہ میں دست اندازی کی ہے کسی خاص شخص کے مال پر نہیں ہے
اور غارتگر کے لئے دوسری سزا مقرر ہے کہ ڈاکوؤں کو صلیب پر لٹکا دو قتل
کیا ہے تو قتل کرو۔ یا ایک طرف سے دایاں ہاتھ اور دوسری طرف سے
بایاں پاؤں کاٹ ڈالو وغیرہ۔ مگر یاد رہے کہ معترض کا مطلب یہ
کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ ایسے مجرم حنفیوں کے نزدیک مجرم ہی نہیں ہیں
اور یہ بالکل غلط ہے بلکہ وہ مجرم تو ہیں کہ جن پر اگرچہ قطع ید کی دفعہ
عائد نہیں ہوگی مگر دوسری دفعات حبس۔ تعزیر اور جلا وطنی
ضرور عائد ہونگی۔

(۳۸) اگر بسم اللہ کو قرآن شریف کی آیت یا جزو قرآن نہ مانا جائے۔
کفر نہیں۔

اس میں کیا شک ہے کہ بسم اللہ میں خود اسلاف کے زمانہ سے اختلاف چلا آیا ہے کہ مستقل سورت ہے یا ہر ایک سورت کا جزو ہے یا صرف وہی بسم اللہ جزو قرآن ہے جو حضرت سلیمانؑ کے قصہ میں درج ہے باقی جگہ جزو قرآن نہیں۔ اب اگر معترض کسی کو کافر قرار دینا چاہتا ہے تو سب سے پہلے کوئی مستند دلیل پیش کرے کہ بار بار کی بسم اللہ جزو قرآن ہے اور اس کا منکر کافر ہے" ورنہ صرف زبان سے کہنے کا کیا اعتبار ہے۔

(۳۹) مردار میں ذبیحہ کا گوشت مل جائے تو دیکھ بھال کر الگ کر سکتی ہو اس مسئلہ میں کس کو اختلاف ہو سکتا ہے کیا حرام حلال کی دیکھ بھال بھی ناجائز ہے؟ معلوم نہیں ایسے مسئلہ کو پیش کرنے سے معترض کا کیا مطلب ہے؟ اگر خلاف قرآن و حدیث ثابت کرنا ہے تو ثبوت کیوں نہیں دیا۔ شاید صرف مذاق ہی اڑانا ہے۔ اور اسلامی حکومتوں میں ایسے ہزاروں مقدمات پیش ہوتے تھے اور یہی کہا جاتا تھا کہ حلال حرام کی تمیز کرلو۔ اور یہ تمیز بالکل آسان ہی ہے کیونکہ مردار کا گوشت سیاہ ہوتا ہے اور ذبیحہ کا گلابی۔

(۴۰) جنبی اور حائضہ عورت اگر قرآنی دعائیں پڑھیں تو جائز ہے۔ یہ مسئلہ بالکل درست ہے کہ قرآنی آیات کو بطریق تلاوت جنبی اور حائضہ نہیں پڑھ سکتے دعا کے طور پر یا ایک ایک حرف الگ الگ پڑھ سکتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ تلاوت نہیں کرتے ورنہ وہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کہنے کے بھی مجاز نہ ہونگے۔ شیطان اور

اور فرعون کا نام بھی نہیں رکھیں گے کیونکہ یہ دونو لفظ قرآن میں موجود ہیں شاید
معترض کے نزدیک ایسی بندش کسی حدیث کے رو سے ثابت ہوتی ہوگی
مگر حنفی اب تک اس سے محروم ہیں۔ براہ عنایت ذرا احناف کو بھی بتا دیجئیگا

(۱۴) اگر نابالغ لڑکی مطلقہ ہو کر دوسری جگہ بلوغت کے بعد نکاح کرے
اور لڑکی جنے تو پہلے شخص کو جائز ہوگا کہ اس سے حق زوجیت پیدا کرے
اس مسئلہ کے رو سے معترض کا یہ مطلب ہے کہ یہ الزام لگائے کہ حنفی اجازت
دیتے ہیں کہ اپنی لڑکی سے شادی کرائی جائے۔ یہ ایک ایسی دھوکہ بازی
ہے کہ مخالفین اسلام بھی نہیں دے سکتے۔ وہ بھی اتنا کہتے ہیں کہ مسلمان
چچے کی بیٹی سے نکاح کرتے ہیں اور رشتہ میں بہن ہوتی ہے مگر لڑکی
کا الزام کسی نے نہیں لگایا۔ الزام لگانے میں معترض نے عقل کو
ہی جواب دیدیا ہے اتنا نہیں سوچا کہ جب عورت کو ہم طلاق دیدیتے
ہیں کیا وہ قیامت تک ہماری سابقہ ہی بیوی کے عنوان سے پکاری
جایا کرے گی۔ اور دوسرے خاوند سے جو اولاد پیدا ہوگی کیا وہ سب
کی سب پہلے کی تصور ہوگی! اگر یہ اصول ٹھیک ہے تو بیشک
حنفیوں پر اعتراض ہے ورنہ معترض صاحب اپنا الزام واپس لیں
کیونکہ پہلے خاوند کا تو صرف نکاح ہی نکاح تھا یہ شبہ کہاں سے پیدا
ہو سکتا ہے کہ پہلے خاوند کا نطفہ لیکر دوسرے خاوند کے گھر جنا ہو۔ جناب کا
اگر ایسا ہی خیال ہے تو اخبار اہلحدیث کے مسئلہ پر بھی ذرہ قلم فرسائی
کرنے کی تکلیف گوارا فرمادیں۔ وہ لکھتا ہے کہ دو رشتے سے نانی کا نکاح
جائز ہے کیونکہ نانی کی حرمت پر کوئی نص قطعی موجود نہیں ہے۔

(۲۲) تصویردار کپڑے میں نماز جائز ہے تصویریں چھپی ہوں یا پاؤں کے نیچے تو بھی نماز جائز ہے۔

یہی محققین اہلحدیث کا مذہب ہے کہ تصویر کی تحقیر مسلم کا فرض ہے اس لئے نماز کے وقت چھپے ڈالی جاتی ہیں یا پاؤں کے نیچے دبائی جاتی ہیں۔ علم حدیث پہ کچھ عبور ہے تو آنحضرت کے پردوں کا حال غور سے مطالعہ کرو کہ آپ نے کاٹ کر گدیلے بنائے تھے۔ بہرحال یہاں بھی نماز جائز ہونے سے یہ مطلب نہیں کہ حنفیوں کی مسجدوں میں تصویریں لگائی جاتی ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ گو یہ نماز جائز ہے مگر مکروہ ضرور ہے۔ یہ نہیں کہ بتخانوں اور دہر مسالوں یا اسکال تخت کے پاس بھی نماز ادا کرنا انکا شیوہ ہے۔

(۲۳) ڈوم شادی کے موقعہ پر غیر معین اجرت سے ملتے ہیں۔

ممنوعات پر معاہدہ خواہ کسی قسم کا ہو فاسد ہوتا ہے اور اس میں مروجہ مزدوری دیجاتی ہے۔ مقررہ رقوم یا مزدوری کی طرف مطلقاً توجہ نہیں ہوتی۔ اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ حنفیوں کے ہاں رنڈی کا ناچ انگریزی باجے یا اور راگ رنگ کے اسباب پیدا کرنا جائز ہے یہ محض دھوکہ دہی ہے خدا اس معترض کو بچا سکے۔

(۲۴) کسی عورت کو جو لونڈی نہیں ہے اپنی لونڈی تصور کر کے مجامعت کرے تو زنا کی حد نہیں لگے گی۔

اس میں شک نہیں کہ یہ غلط فہمی ہے جس کی بنیاد پر وہ زنا کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ بعض حق لوگوں کو زنا اور وطی بالشبہ میں فرق نہیں ہے

نزدیک شاید حد شرعی انثی رزوں والی اس پر قائم ہوگی۔ مگر ہم احناف کے نزدیک انثی کی بجائے تعزیری حد شرعی سے رہائی نہ ہوگی۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ اسی طریق پر مجاز ہیں کہ زبردستی لونڈیاں بنا کر زنا کے مرتکب ہوتے پھریں اگر معترض نے یہی مطلب سمجھا ہے تو حیف ہے اس کی حق گوئی پر اور افسوس ہے اس کی فہم و فراست پر۔

(۴۵) امام یا خلیفہ پر زنا کا الزام قائم ہو تو حد شرعی نہ لگائی جائے۔

یہ مسئلہ بالکل غلط روایت سے لیا گیا ہے کہ (اقیلوا ذوی الھیات من عثراتھم) معزز آدمیوں کی غلطیوں سے درگذر کیا کرو۔ پس اگر یہی مقصد ہے تو یہ روایت اہلحدیث کی طفیل گھڑی گئی ہے۔ ورنہ حنفی اصول کے مطابق یہ روایت بالکل خلاف قواعد اسلامیہ ہے۔

ناظرین باوجودیکہ ان اعتراضات کے جوابات میں معترض کی خامی معلوم نہیں ہوتی اس لئے ہم خاص اس کے ہم مشرب کی کتابوں سے باب دوم پیش کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ جن کے ایمان اور مذہب میں یہ سقم موجود ہوں کیا ان کا حق ہے کہ مذہب حنفی پر طعن و تشنیع کے طور پر الٹا پلٹا الزام لگائیں؟

باب سوم
شغل تحفہ

(۱) حضرات اہل حدیث حسب ذیل عبارت کے مضمون پر غور فرمائیں ہمیں بتائیں کہ ... اگر ... اردو میں ایک مسافر صالحین نے اہل اسلام کے سامنے صالحین رکھا

فتویٰ لگایا ہے (ترجمان[۳۵] مصنفہ نواب صدیق الحسن صاحب) سرچشمہ سارے چھوٹے
حیلوں اور مکروں کا اور مکان تمام دغابازیوں اور فریبوں کا علم فقہ ورائے ہے
اور مدار چال ان سب خرابیوں کا فقہا اور مقلدین کی بول چال ہے اور ساری خرابی
ڈالی ہوئی ان ملاؤں کی ہے جو دام تقلید میں گرفتار ہیں اور نشہ شرک و بدعت
میں سرشار اور تمام عالم کا فساد اور ساری خرابیوں کی بنیاد گروہ مقلدین سے
ہے (الفیاضت[۹۲]) کثرت نوافل نماز وظائف اور صدقات طعام وغیرہ واسطے ثواب
رسانی اموات کے موافق طریقہ ہنود کے ہے (لقب الذریہ مصنفہ نواب صاحب مذکور[۸])
علم شرعی عبارت ہے تفسیر و حدیث و فقہ و سنت و فرائض سے۔ رہی فقہ مصطلح
سو وہ علوم دنیا سے ہے نہ علوم آخرت سے (رسالہ الاحتوا علی مسالہ الاحتواء
مصنفہ نواب صاحب مذکور) خدا عرش پہ بیٹھا ہے اور عرش اس کا مکان ہے اور
دونو قدم اپنے کرسی پر رکھے ہیں اور کرسی اس کے قدم رکھنے کی جگہ ہے اور ذات
خدا کی جہت فوق میں ہے اور اس کو فوقیت جہت کی ہے نہ فوقیت رتبہ کی اور
وہ عرش پر رہتا ہے اور اترتا ہے ہر شب کو طرف آسمان دنیا کے اور اس کے
لئے داہنا بایاں ہاتھ اور قدم اور ہتھیلی اور انگلیاں اور دو آنکھیں اور منہ اور
پنڈلی وغیرہ سب چیزیں بلاکیف ثابت ہیں۔ اور جو آیتیں اس بارے میں ہیں سب
محکمات ہیں آیات متشابہات نہیں انہیں تاویل کرنا نہ چاہئے۔ سب اپنے ظاہر معنے
پر محمول ہونگی۔ اور اسی ظاہر معنے پر عمل اور اعتقاد رکھنا چاہئے (منہج المومنین
مصنفہ قاضی محمد حسین ص[۹۷-۱۰۲]) یا شیخ عبدالقادر کہنے والا کافر اور مشرک ہے
اس نے تینوں شرک کئے شرک فی العلم اور شرک فی التصرف اور اشراک
فی العبادت۔ اور اسی طرح یا رسول اللہ کہنے والا بھی کافر اور مشرک ہے

(الفیا صــ ۱۱۹) جو کوئی اذان میں وقت سننے اشهد ان محمداً کے انگوٹھے چوم کے آنکھوں پر رکھے وہ بدعتی ہے اور جس قدر اس بارے میں حدیثیں ہیں وہ سب موضوع اور بناوٹی ہیں اور عمل کرنا ان پر موجب ضلالت ہے (الفیا صــ ۱۲۶)

آنحضرت کا عالم برزخ میں احوال اور اعمال امت پر واقف ہونا بدیہی البطلان ہے اور اعتقاد اسپر موجب شرک جلی اور مستلزم علم غیب ہے کہ یہ خاصہ علام الغیوب کا ہے (الفیا صــ ۱۲) میت کو ادراک اور سماعت ثابت نہیں ہے (ایضا صــ ۱۲۷)

ارواح انبیاء و اولیاء سے خلق اللہ پر کسی طرح کا فیضان نہیں ہے اور افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ میں استفاضہ ان سے شرعاً و عقلاً ناجائز بلکہ بدیہی البطلان ہے ورنہ بعثت انبیائی مرۃً بعد اخرے بیکار۔ اور بے فائدہ ہو جاتی ہے اور ایک ہی وجود شریف حضرت آدم قیامت تک کافی ہو جاتا۔ اور وہ آثار افادہ استفادہ و تعلیم و تعلم کے جو آنحضرت سے بعد انتقال کے زمانہ صحابہ میں پائے گئے وہ سب بے اصل معلوم ہوتے ہیں ورنہ اگر قبر شریف سے تعلیم و افادہ ہوتا تو آپ کی تعیین کفن و کیفیت دفن و غسل و دیگر مسائل عبادات و معاملات میں فیما بین صحابہ اختلاف نہ پڑتا اور نوبت محاربات و منازعات و مشاورت صحابہ کی نہ آتی اور اسی طرح اختلاف تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین و مفسرین و محدثین کا ہرگز نہ ہوتا بلکہ کارخانہ قیاس و رائے و اجتہاد و استنباط مسائل و تصحیح احادیث دفعۃً کا درہم برہم ہو جاتا۔ استمداد اہل قبور سے بایں طور کرنا کہ یا حضرت واسطے حصول مطلب کے دعا فرمایئے خلاف شرع بلکہ موجب شرک ہے کہ واسطے دعائے اہل قبور [illegible] سفر کرنا محض حصول برکت کیلئے

مقامات ثلثہ (مسجد نبوی، مسجد حرام، مسجد بیت المقدس) کے اور کسی قبر نبی یا ولی کی
زیارت کو دور سے جانا ناجائز ہے ..... ابن شیبہ راوی ہے کہ ایک شخص آنحضرت
کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر کچھ عرض حال کر رہا تھا پس زین العابدین نے اس کو منع کیا
کہ نبی کریم نے فرمایا ہے لا تتخذوا قبوری وثنا۔ یہاں سے یہ بات نکل آئی
کہ جس طرح بت پرست بتوں کے آگے عرض حال کرتے ہیں، اس طرح قبر کے آگے
نہ کیا جائے ورنہ وہ حد اوثان میں داخل ہو جائیگی اور اجتناب اس سے واجب
ہوگا۔ خواجہ بہاؤ الدین نے فرمایا تو تا کے گور مرداں را پرستی بکار مرداں
کن درستی۔ (تحقیق الکلام فی البیعۃ والالہام ص۱۵) ختم پنج آیت سوم میت
مصافحہ معانقہ عیدین مجالس میلاد۔ عمل اسقاط میت بدعت اور ضلالت
ہیں (ایضاً ص۲۱) تغیر اوراد و اشغال بسبب امراض افاضہ توجہ عاصی تصرف خیال
اتحادی نسبت اہل اصطلاح خطرات قلبیہ و کشف وقائع آئندہ تصرف اولیاء اللہ
کشف قبور و ارواح تعویذات طریق دفع عملیات بطریق صوفیہ سب شرک و بدعت
ہیں (ایضاً ص۲۲) بڑا استدلال پیری مریدی کے حرام ہونے پر یہ ہے کہ اس سے
اسلام میں اس قدر فتور اور فسادات پڑے ہیں کہ جن کا شمار امکان سے
باہر ہے، شرک فی الالوہیۃ وفی الربوبیۃ وفی الدعا اور جس قدر اقسام شرک
کے ہیں اسی سے پیدا ہوتے ہیں ..... سچ پوچھو تو یہی بیعت مروجہ باعث ہوتی
ہے کلمات کفریہ و اعتقادات حلولیہ کی جسکو فنا فی اللہ اور فنا فی الشیخ سے تاویل کرتے
ہیں (ایضاً ص۲۳) درود مستغاث دلائل الخیرات، کبریت احمر، درود اکبر سب بے
اصل اور وضع اختراعی ہیں بلکہ یہ درود ہی نہیں (ایضاً ص۲۴) فرط محبت میں دوسرے
[illegible]

کہتے ہیں خواہ خدا کی طرف سے ہو یا شیطان کی طرف سے سب افعال اور اقوال
آنحضرت صلعم کے تشریعی اور محمود نہیں ہیں اور عصمت مطلقہ آپکے واسطے ثابت نہیں
ہے ورنہ صحابہؓ آپ کی بعض خطاؤں پر اعتراض نہ کرتے (ایضاً ص۵۵) اقتباس
اور تضمین آیات قرآنی ممنوع اور کفر ہے۔ سعدی جامی اور حافظ اس کے مرتکب
ہیں اور فرط محبت میں نظامی کافر ہے۔

باب چہارم۔ اہلحدیث کا نیا اجتہاد)

علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی کے خیالات دیکھئے۔

(الف) دلیل الطالب ص۴۱۳ کافر کا ذبیحہ حلال ہے (ایضاً ص۲۲۴) مردار پاک ہے
(ایضاً ص۲۳) حیض و نفاس کے سوا اور خون ناپاک نہیں (ایضاً ص۱۰۳) مال
تجارت میں زکوٰۃ نہیں (ایضاً ص۳۴) زن و مرد کو چاندی کا زیور جائز ہے
(ایضاً ص۲۵) دانستہ نماز چھوڑنے کی قضا نہیں (ایضاً ص۴۰۴) شراب ناپاک
نہیں (ایضاً ص۲۰۲) جنبی قرآن شریف ہاتھ میں لے سکتا ہے (ص۵۵) چاندی
سونے کے زیور میں سود نہیں۔

(ب) (عرف الجادی ص۱۱۰) ایک وقت میں چار سے زائد عورتوں کے ساتھ
نکاح جائز ہے (ایضاً ص۱۱۳) جس عورت سے زنا کیا ہو اس کی لڑکی سے
نکاح جائز ہے (ص۲۱۴) جس کی بیوی نہیں مشت زنی کر سکتا ہے (ص۲۵۷)
زیارت قبر النبی کی خاطر سفر جائز نہیں (ص۹) نجاست سے پانی ناپاک نہیں
ہوتا جب تک کہ مزہ بو اور رنگت نہ بدل جائے (ص۱۰) بے وضو آدمی قرآن
شریف ہاتھ میں لے سکتا ہے (ص۲۴۹) ذبح کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی

تو کھانے وقت پڑھ لے (ف[۲۵۶]) حالت کفر کی نذر اسلام میں ادا کرنا

واجب ہے (ص[۳۰]) نفل کے بعد فرض کی اقتدا جائز ہے نابالغ بھی

امام بن سکتا ہے۔

رجی بہ ورالایت [۳۴۸] خشکی کے جانور حرام نہیں کہ جنہیں خون نہ ہو (الیضا ص[۱۰])

آیت سے سور کے ناپاک ہونے پر استدلال درست نہیں۔ اور جو چیزیں

... جائز ہے ...

پاک ہے (ص[۵۶]) دوپہر سے پہلے نماز جمعہ جائز ہے (ص[۶۷]) صرف دو آدمی

بھی جمعہ پڑھ سکتے ہیں کیونکہ اس کی جماعت دوسری جماعتوں کی طرح

ہے اور عید اکیلا آدمی بھی پڑھ سکتا ہے (ص[۶۴]) دار الحرب میں جمعہ جائز ہے

(ص[۶۸]) سجدہ تلاوت میں نمازی کی صفت (وضو وغیرہ) پر ہونا ضروری نہیں

مقتدی سہو کرے تو سجدہ سہو لازم ہوگا (ص[۲۲۵]) بندوق کا شکار مرا ہوا

جائز ہے (ص[۱۴]) تمام جانوروں کا پیشاب پاک ہے (ص[۲۳]) پانی کے تمام

جانور مرکر تیرتی ہوئی مچھلی کے سوا حلال ہیں (ص[۲۲]) سونے چاندی کے برتن

کا استعمال جائز ہے (ص[۲۴]) ایک بکری سو کی طرف سے جائز ہے (ص[۳۸])

نجاست بدن پر ہوتے ہوئے نماز ادا ہو جاتی ہے (ص[۳۶]) عورت کی نماز

ستر عورت کے بغیر بھی جائز ہے (ص[۴۰]) کپڑے ناپاک ہوں تو نماز جائز ہے

(ص[۳۵]) ساہی (خارپشت) کی حرمت پر کوئی حدیث نہیں ملی (ص[۱۸۶]) نصف

طلاق واقع نہیں ہوتی (ص[۳۹]) کپڑے ناپاک ہوں تو نماز جائز ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ص[۱۳۶]) میقات حج سے پہلے اور گھر سے احرام ناجائز ہے (ص[۱۳۹]) صحابہ کی تفسیر

قرآنی حجت شرعی نہیں (ص[۱۴]) وطی سے حج فاسد نہیں ہوتا (ص[۱۸۶]) بیوی الخ

ہو یا یاں خلع جائز نہیں۔

(د) البنیان المرصوص (ص ۱۴۳) مقیم کے پیچھے مسافر پچھلی دو رکعت نہ پڑھے (ص ۱۴۹) سر منڈانا خلاف سنت اور خارجیوں کی علامت ہے (ص ۴۳) اللہ اللہ کا ذکر بدعت ہے (ص ۱۶۴) امیر معاویہ نے ارتکاب کبائر اور بغاوت کا کیا ہے (ص ۱۴۸) پردہ کی آیت صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے (ص ۴۳) کافروں سے حیلہ کرکے سود لینا جائز ہے

باب پنجم (آزادی)

مولوی وحید الزمان کیا فرماتے ہیں؟

(الف) ہدایۃ المہدی، خدا جس صورت میں چاہے ظاہر ہو سکتا ہے (ص ۱۹) استمداد بغیر اللہ جائز ہے (ص ۲۴) غیر اللہ کو ندا جائز ہے (۲۵) اگر کوئی رسول خدا، حضرت علیؓ یا کسی ولی کو باایں خیال ندا کرے کہ ان کی سماعت اوسع ہے تو شرک نہیں (ص ۲۴) تورات و انجیل میں صرف معنوی تحریف ہوئی ہے لفظی نہیں (ص ۱۲) ذات الٰہی سے حوادث کا قیام ہے (ص ۲۴) لواطت سے غسل واجب نہیں (ص ۵) زمانہ کی رو سے عالم حادث ہے (ص ۱۱) ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جس طرح منبر سے اترتا ہوں اسی طرح خدا بھی آسمان سے اترتا ہے (ص ۹) خدا کا مکان عرش ہے جب اترتا ہے عرش خالی رہتا ہے (ص ۱۰) دوزخ فنا ہو جائیگا (ص ۱۱) اقوال صحابہ حجت نہیں۔ (ص ۹) ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا مرکب ہے یا مفرد یا جسم ہے یا غیر جسم یا محدود ہے یا غیر محدود (ص ۱۱) مجالس میلاد جائز ہیں۔ بیوی سے لواطت جائز ہے۔ مزامیر سے نہ روکو۔ مردہ کے ختم سے نہ روکو۔ شطرنج جائز ہے (ص ۱۱) جمعہ میں صرف منبر کی اذان

باب ہفتم

فتنہ نجدیہ

علامہ ابوالبرکات اپنی کتاب توضیح میں لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۱۶۱ ہجری مقدس میں محمد بن عبدالوہاب فقہ حنفیہ سیکھنے کو ملک شام وغیرہ میں وارد ہوا۔ مگر جب دیکھا کہ مقلدین اپنے اپنے اماموں کی بڑی عزت کرتے ہیں جن کی وجہ سے آج انکی عظمت اور وجاہت کا ڈنکہ بج رہا ہے تو دل میں خیال کیا کیوں نہ ہو کہ امام ہی بن کر دکھائیں۔ چنانچہ اپنے مذہب کی بنیاد چند اصول پر رکھکر لوگوں کو دعوت دینا شروع کی۔ اصول کیا تھے۔ فرزندان اسلام کے گلے پر چھری تھی یا سلف صالحین کے نام مٹانے میں خارجیوں کی نیابت ہی کو بجا لائے اہل بیت کے دلوں پر برچھی کا کام دیتے تھے۔ جن کا خلاصہ ذیل کی چند سطروں میں درج ہے

(۱) استمداد بغیر اللہ کفر ہے (۲) نبی کی ہستی نہ مفید ہے اور نہ مضر

(۳) یا علی یا حسین کہنا کفر ہے (۴) یا رسول اللہ کہنا شرک ہے۔

(۵) تعظیم القبور شرک ہے (۶) تعظیم مشاہد شرک ہے۔

(۷) جو شخص شاہد کی تعظیم کرتا ہے مشرک ہے (۸) مشرکوں سے جہاد کرنا اہم فرض ہے

اس وقت کے امیر النجد ابن سعود نے اس کی دعوت کو قبول کیا اور اس مذہب کی تبلیغ میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ جس کی وجہ سے بہت جلد چند ایام میں ہی تمام نجد کے فرزندان اسلام اس مذہب کا شکار ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ مذہب احساء بحرین پہنچا اور وہاں سے چل کر قطیف میں جا گزین ہوا۔ مگر محمد بن عبدالوہاب کے عہد میں اس مذہب کی وسعت حرمین شریفین تک نہیں پہنچی۔ اب آپکا انتقال ہوتا ہے تو امیر النجد عبدالعزیز ابن سعود اس کی جگہ لیتے ہیں تو اس مذہب کے پاؤں اور بھی مضبوط ہو جاتے ہیں کیونکہ اب تبلیغ کے ساتھ دنیاوی وجاہت اور ملکی حکومت کا اندازہ بھی ساتھ ساتھ نظر آتا ہے ؎ اگر شاہ روز را گوید شب است ایں ؛ بباید گفت کاینک ماہ و پروین

اس کے بعد تمام رعایا نے اپنے اپنے عقاید اسی مذہب کے بطابق تبدیل کرنے شروع کر دیئے اور مذہب وہابیہ کے سرفدائیوں کی جمعیت ہزاروں میں بڑھ گئی اور ادہر ادہر قرب و جوار کی حکومتوں کو چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور چونکہ عموماً مذہبی رنگ میں فتنہ پردازی کی کامیابی بتجربہ ثابت ہو چکا ہے کہ بہت جلد ہوتی ہے اس لئے ہمسایہ قوموں نے چنداں پرواہ نہ کی اور یہ لوگ بظاہر خوش اخلاقی کے لباس میں اندر ہی اندر رعایا کی جڑیں کاٹتے رہے۔ آخرالامر یہاں تک نوبت آگئی کہ آج یہ صوبہ نجد کل دوسرا پرسوں تیسر غرضکہ دو ...اور ... تمام ... کر گیا اور چند ہی دنوں میں ابن سعود کا قبضہ یمین عراق اور حرمین شریفین پر بھی ہو گیا جہاں اس نے وہ غضب ڈھائے جو قابل ذکر نہیں ہیں اور مقابر و مشاہد اسلامیہ کے متعلق ایسے ناقابل ذکر واقعات پیدا اسکئے کر جن کی امید غیر مسلم سلطنت سے بھی نہیں ہو سکتی تھی اور وہاں کے مجاوروں مشائخ عظام اور ضیائے کرام کے ساتھ اسی طرح بدسلوکی پیش آیا کہ مال لوٹ لئے بے خانماں کر دیا۔ جبر اور زیادہ توجہ منعطف ہوئی تو قتل ہی کر ڈالا۔ اس تشدد اور سفاکانہ حرکت سے نہ شاہد نجف کے مزارات بچے۔ نہ کربلائے معلّے کی پیاری یادگاریں صحیح و سلامت رہ سکیں اور نہ حرمین شریفین خصوصاً مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی اسلامی یادگاریں رہائی پا سکیں اسلامی قبے تھے تو مسمار کر دیئے اسلامی قبریں تو مٹی سے ملادیں دیگر قسم کے تبرکات نہ رکھی اور یادگاریں تھیں تو سب کا صفایا کر دیا

غرضیکہ جس قدر مسلمانوں سے اس کا دل جلا ہوا تھا اس کا سارا غصہ خوب نکال لیا اور جب دل آزاری اور دل شکنی کے تمام مدارج طے کرنے کے بعد ٹھنڈے دل سے چین لینے لگا تو ابراہیم شاہ خدیو مصر نے خدا اس کا بھلا کرے اس پر جرار لشکر لیکر حملہ کر دیا اور چند ہی دنوں میں یہ تمام صوبے اس سے واگذار کرائے

جس سے یہ مصیبت اہل اسلام کے سر سے دس سال کے بعد ٹل گئی۔ اور اہل اسلام
نے اس کے شکریہ میں دل و جان سے خیر مقدم کیا اور وہ مذہب جہاں سے
آیا تھا وہیں واپس چلا گیا جس کے نام لیوا نجدی اور درعیہ کے باشندے ابھی تک
باقی ہیں اور دیگر ممالک سے بھی لوگوں نے نجدی طریق پر اپنا اپنا طرز عمل گھڑ لیا ہے
گو اپنا پیشوا ابن عبد الوہاب کو تسلیم نہیں کرتے مگر اس کی جتنی بھی کارروائی ہو
گذری ہے بنظر استحسان ضرور دیکھتے ہیں۔ تاریخ عثمانی کا مولف شاکر حنبلی
اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر لکھتا ہے کہ اس گروہ کے عقائد یہ تھے کہ اموات سے استمداد
ناجائز ہے قبے بنانا حرام ہے اس لئے اس نے قبروں کے قبے گرانے شروع کر دیئے
کربلا معلی اور مدینہ طیبہ پر قبضہ جمایا اور حاجیوں کے قافلے لوٹ لئے اور یہ تمام
واقعات سنہ ۱۲۰۳ ہجری کے اثنا میں پیش آئے جب کہ سلطان ترکی سلیم ثالث
اپنے عہد حکومت میں فرمانروا تھا پھر وہی مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں
کہ جب سلطان محمود اول (ترکی کا تیسواں خلیفہ) تخت نشین ہوا تو اس کے
عہد میں وہابیوں کا بڑا زور تھا اور خصوصاً صوبہ حجاز میں تو انہوں نے بہت ہی
فتنہ برپا کر رکھا تھا اس لئے خلیفہ نے محمد علی پاشا والی مصر کو سعود بن عبد العزیز
رئیس الوہابین کی سرکوبی پر مقرر کیا چنانچہ اسنے خود حرمین شریفین کا علاقہ
نجدیوں سے واپس لے کر آزاد کر دیا۔ اور باقی کارروائی اپنے بیٹے ابراہیم پاشا
کے سپرد کی تو اس نے بہت جلد ابن سعود کو مقام درعیہ پر جو ان کا دار الخلافہ
تھا گرفتار کر کے آستانہ (قسطنطنیہ) کو بھیج دیا۔ جہاں اس کو صلیب پر چڑھا کر
قتل کیا گیا اور خدا خدا کر کے فتنہ وہابیہ رفع ہوا۔ تیغ مبین کا مصنف لکھتا
ہے کہ یہ مذہب شروع شروع میں جب ہندوستان آیا تو اس مذہب کے مقلدوں

نے اپنا نام وھابی رکھا کہ محمد بن عبدالوہاب کے پیرو ہیں۔ پھر یہ خیال ہوا کہ
وہاب تو محمد کا باپ تھا اس لئے اپنے نام کے ساتھ محمدی کا اضافہ کر دیا
کچھ عرصہ کے بعد جب یہ ہوش میں آیا کہ ادھر ہم جس تقلید سے بھاگے تھے
اسی میں پھنس گئے تو اپنا نام اہلحدیث رکھ لیا۔ (مجموعہ کتاب التوحید کے ص ۴۹
میں ترک موالات کے متعلق ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے کہ ان امور کا
مرتکب دوزخی ہے۔ غیر مسلم سے میل ملاپ رکھنا۔ انکے جلسوں میں شامل ہونا
ان سے مشورہ لینا اسلامی امور میں انکو داخل کرنا۔ ان سے یارانہ لگانا۔ ان کو دیکھکر
خوش ہونا۔ عموماً ان کی تعظیم کرنا۔ انکو اپنی طرف سے اطمینان دلانا۔ ان کے
معاملات میں ذرہ بھر بھی امداد دینا مثلاً قلم تراشنا یا دوات لے آنا۔ ان سے
خیر خواہی کرنا۔ ان سے میل جول رکھنا۔ ان کا لباس پہننا۔ انکے نام عزت سے لینا اور
ان کے ملک میں مل کر سکونت رکھنا۔ کیونکہ صاف وارد ہے کہ جو مشرکوں سے مل کر
رہیگا وہ انہی جیسا ہے ص ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے پوتے سے سوال کیا
گیا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھکر بھی قبول پر تعرض نہ کرے کہ وہ کچھ نفع و نقصان
نہیں دیتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص مسلمان نہیں ہے اور ص ۲۴۳ پر لکھا ہے کہ
غیر مسلم حکومت میں کوئی مسلم مجاز نہیں کہ مشرکوں سے موالات کرے جیسا کہ آج
کل عموماً مسلمانوں میں واقع ہے ص ۲۰۵ میں قصیدہ بردہ کے مصنف کو مشرک ثابت
کیا اور اسی قصیدہ کی تردید کی ہے۔ اسی میں ص ۲۱۶ پر مراسم قبر کو بدعت اور عبادت
لغیر اللہ میں داخل کیا ہے ص ۱۴۰ پر لکھا ہے کہ آجکل فقہ احبار کی عبادت کا نام ہے
ص ۲۳ میں لکھا ہے کہ آجکل کے مسلمان مشرک اگلے زمانہ کے مشرکوں سے بدتر ہیں

کیونکہ وہ تو مصیبت کے وقت اپنے بزرگوں کی یاد چھوڑ دیتے تھے مگر یہ نہیں چھوڑتے
ہم دوسرے عقائد کو نظر انداز کر کے صرف اس امر پر تنقید کرنا چاہتے ہیں کہ آیا قبے
اسلام واقعی بتوں کے نظائر ہیں یا یہ کچھ اور بھی حقیقت رکھتے ہیں۔ سو سب سے
اول ہمیں یہ سوچنا ہے کہ قبروں کی نسبت آپ ﷺ کا ارشاد کیا ہے؟ کتب احادیث
سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر پر چونہ یا پکی اینٹیں نہ لگائی جائیں۔ بالشت سے اوپر بلند
نہ ہو۔ اس کی پرستش نہ کی جائے۔ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ سنگدلی کا علاج
ہیں۔ والدین کی قبر پر جانا والدین کے حق الخدمت ادا کرنے کے برابر ہے۔ آپ نے
قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے اور انکو بھی جو وہاں
چراغاں کرتے ہیں یا مسجدیں بناتے ہیں۔ قبر پر لکھنا بھی جائز نہیں۔ اور اس
پر اضافہ بھی جائز نہیں۔ قبر پر مکان بنانے سے روکا گیا ہے۔ اور حضرت علی رضؓ
کو آپ نے بھیجا تھا کہ جو بھی قبر ہموار نہیں ہے ملا دو اور جو بھی تصویر ہو اسے مٹا دیا جا
اس کے بعد یوں کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے وصیت کی تھی کہ مجھ پر خیمہ نہ
لگانا۔ عبد الرحمن بن ابی بکر کی قبر پر خیمہ لگا ہوا تھا تو عبد اللہ بن عمرؓ نے اتروا دیا
تھا کہ اہل بیت کی ایک قبر پر خیمہ لگایا گیا تھا تو چند دنوں کے بعد ہاتف نے آواز
قاضی خان کے نزدیک قبروں پر قبے نہ بنائے جائیں۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ
بالشت کے اوپر اونچی قبر مکروہ ہے اور گرانا بہتر ہے۔ کچھ حنبلی کہتے ہیں کہ قبے
گرادو کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بدتر ہیں۔ چراغ و قندیل دور کر لے جانے چاہئیں۔ امام ابو حنیفہ
کہتے ہیں کہ قبر پر لیپائی ہو نہ چونہ اور نہ بنیاد۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مکہ میں میں نے
وہ لوگ دیکھے ہیں جو قبے گرانے کا حکم دیتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مگر یہی ملحوظ رہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں تم کو زیارت قبور سے روکتا تھا اب تم زیارت کیا کرو۔ قربانی کے گوشت سے روکتا تھا کہ تین دن سے زائد اپنے پاس مت رکھو اب جس دن تک چاہو اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ میں تم کو مشکیزوں کے سوا تمام برتنوں میں نبیذ سے روکتا تھا اب تم تمام برتنوں میں نبیذ نکال سکتے ہو (رواہ مسلم)

اس روایات نے تمام فیصلے کر دیئے ہیں کہ بے شک ابتدائے اسلام میں ان تمام چیزوں کی ممانعت تھی مگر بعد میں پھر اجازت ہو گئی تھی۔ مثلاً

(۱) عورتیں قبروں پر واویلا مچاتی تھیں آپ نے انکو ملعون کہکر بند کر دیا۔ جب وہ عبادت ہٹ گئی تو آپ نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ صحیح طور پر جا کر استغفار وایصال ثواب کر کے واپس آؤ۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گنبد حجرہ مقدسہ میں آیا جایا کرتی تھیں اور حضرت عمرؓ کے بعد کپڑا اوڑھ کر جاتی تھیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واجبی طور پر عورتیں بھی جا سکتی ہیں۔

(۲) ابتدائے اسلام میں لوگ محتاج تھے اور قربانی کرنے والے گوشت کچھ کھاتے اور کچھ خشک کر کے ذخیرہ رکھ لیتے تھے تو آپ نے منع فرمایا تھا کہ تین دن کی خوراک سے زائد نہ رکھو۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جب مسلمان آسودہ ہو گئے تو پھر اجازت ہو گئی کہ جس قدر چاہو گوشت سو کھا سکتے ہو۔

(۳) شراب کی ممانعت سے پہلے شراب کے برتن (صراحی۔ مرتبان۔ مٹکے اور روغنی پیالے وغیرہ) عام کھانے پینے میں استعمال ہوتے تھے بالخصوص نبیذ (کھجوروں کا خیساندہ) کے لئے بھی یہی برتن موزوں سمجھے جاتے تھے

جب شراب کی ممانعت ہوئی تو آپ نے برتن بھی موقوف کرادیئے حکم دیدیا کہ انہیں
نبیذ بھی تیار نہ کیا کرو۔ اور جب اطمینان ہوگیا تو پھر اجازت ہوگئی۔

(۴) اسی طرح کتے بہت ہوگئے تھے تو آپ نے کتوں کو مروا ڈالنے کا حکم
دیا تھا بعد میں آپ نے کتے کی حفاظت اور گھر کی نگہبانی اور شکار کے کتوں
کی اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ خود کتے کی قیمت بھی دلائی تھی

(۵) شروع میں شراب کی محبت دور کرنے کے لئے شراب کو سرکہ میں
تبدیل کرنے سے بھی ممانعت کی تھی۔ مگر بعد میں آپ نے پھر اجازت دیدی تھی

(۶) اسی طرح مشرکین کی قبروں پر چادریں ہوتی تھیں۔ جابجا کعبہ کی طرح
ان کے طواف ہوتے تھے انپر اونچے اونچے قبے تعمیر کرائے تھے تو آپ نے
انکے گرانے کا حکم دیدیا تھا۔ اور حضرت علی سے کہا تھا کہ ان کو مٹی سے ملا دو
اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ قبر پر چونہ اور پکی اینٹ بھی نہ لگنی پائے۔ یہ وقتی حکم تھا
ورنہ اس وقت مسلمانوں کے قبے کہاں موجود تھے کہ جن کے گرانے کا آپ نے حضرت
علی کو حکم دیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ قبریں یا قبے مشرکوں کے تھے مسلمانوں کا
ان سے کوئی تعلق نہ تھا۔ خود رسول خدا صلعم کا حجرہ میں دفن ہونا پھر آپکے بعد حضرت
ابوبکرؓ و عمرؓ کا اسی حجرہ میں دفن ہونا صاف دلیل ہے کہ نبی اور ولی کی قبر پہ حفاظت کے لئے
یا اس کا نام قائم رکھنے کیلئے قبہ یا چھت مسنون طریقہ ہے اور آپ نے اسی عملی طریق سے
بتا دیا ہے کہ مسلمانوں کے قبے مشرکوں کے قبے سے الگ ہیں۔ مرقات شرح مشکوٰۃ۔ لمعا[ت] تنقیحا[ت]
اور تفسیر روح المعانی میں صاف لکھا ہے کہ سلف صالحین اور علماء اسلام نے ولی اور نبی کی قبر پر
قبہ بنانا پسند کیا ہے کیونکہ وہاں ضرورت ہے ورنہ مکروہ اور ناجائز ہے زیادہ تشریح کے لئے
دیکھو رسالہ مشاہد الحرمین الشریفین